حقیقتِ نفاق

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

جس طرح مسلمان ہونے کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام کیا ہے، اسی طرح یہ معلوم کرنا اور پھر معلوم رکھنا بھی ضروری ہے کہ اسلام کیا نہیں ہے؟ ورنہ اسلام کی صحیح اور بے آمیز حقیقت کی نہ حفاظت ممکن ہے نہ پیروی۔ آج اسلام کی چند اچھی اور سچی باتیں معلوم کی جائیں گی، کل ان میں کچھ غیر اسلام کی باتیں آن شامل ہوں گی اور محسوس نہ ہوگا کہ زر خالص میں کھوٹ داخل ہو گیا ہے۔ کیونکہ جو غیر اسلام بھی مسلمان کے پاس آتا ہے وہ اپنی ننگی صورت میں آتا ہے۔ بلکہ یا تو اسلامیت کا سوانگ بھر کر آتا ہے، یار خصتوں کا لباس پہن کر اور مسلمان الّا ماشاء اللہ بڑی آسانی سے اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ پچھلی امتیں اپنے اپنے انبیاء سے حق خالص پانے کے باوجود جو اپنی چند ہی پشتوں بعد گمراہ ہو گئیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہی تھی۔ ان کے عوام دین کے علم سے قریب قریب بالکل کورے ہو رہتے، اور اگر ان کو اس کا کچھ علم ہوتا بھی کہ حق کیا ہے، تو اس سے تقریباً نابلد ہی سے ہو جاتے کہ حق کیا نہیں ہے؟ نتیجہ یہ ہوتا کہ غیر حق یعنی غیر اسلام ان کے افکار، عقائد، شرائع اور اعمال میں بتدریج گھستا رہتا اور وہ ان سب کو عین دین و اسلام سمجھ کر، یا کم از کم دین و اسلام کے لیے قابل برداشت تصور کر کے اپنے سینے سے لگاتے رہتے، تا آنکہ ایک صبح وہ آجاتی جس میں وہ اٹھتے تو اسلام کی طرف ان کے رخ کے بجائے ان کی پشت ہوتی۔ اگرچہ وہ یہی سمجھتے رہتے کہ ہم ٹھیک منزل حق کی طرف بڑھ رہے ہیں۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ غیر اسلام سے واقف ہونا اور واقف ہوتے رہنا کتنا ضروری ہے۔ پھر یہ ضرورت انفرادی اصلاح اور تربیت کے لیے جتنی شدید ہے اس سے کہیں زیادہ سخت شدید اجتماعی اصلاح اور تزکیہ کے لیے ہے، اور یہ ایک واقعہ ہے کہ اس وقت تک کوئی اجتماعی حرکت اسلام کے رخ پر نہیں کی جا سکتی جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ کیا کیا چیزیں خلاف اسلام ہیں۔ اس لیے دعوتی مقاصد کے لیے یہ ضروری ہے کہ گن گن کر ایسی چیزوں کی نشاندہی کی جاتی رہے تاکہ لوگ ان سے دامن کشاں رہیں، اور افراد کا نفس بھی، اور اجتماع کا نفس بھی، دونوں ان سے پاک رہ سکیں۔

یہی غرض ہے جس کے پیش نظر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے جس میں "اسلام کیا نہیں ہے"

کے ایک اہم جزو "نفاق" سے بحث کی گئی ہے۔ یہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ ایک بڑا ناخوشگوار کام ہے اور اس لحاظ سے خطرناک بھی کہ اس سے کتنے ہی لوگوں کے بھڑک اٹھنے کا قوی امکان ہے لیکن جب دین ہی کی مصلحتیں تقاضا کرتی ہوں تو اس خطرے کو انگیز کیے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں۔ یہ خوش نصیبی تو بس ایک واعظ ہی کو حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ ورسول کی باتیں بھی سنادے اور وہ اس سے چیں بجبیں بھی نہ ہوں، بلکہ اس کی باتوں سے فرحت وانبساط بھی محسوس کریں۔ اس لیے کہ واعظ کبھی ایسی باتوں کو چھیڑنے کی غلطی کرتا ہی نہیں جو لوگوں کی تلخ کامی کا باعث ہوں، جن میں ان کی غلط کاریوں پر زجر وملامت کی گئی ہو، جس میں ناپسندِ خاطر بھاری فرائض یاد دلا کر ان کی ادائیگی کے مطالبے کیے گئے ہوں۔ پس یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ باتیں کہتے ہی لوگوں کے غم وغصہ کا باعث ہوں گی مجبوراً لکھی جا رہی ہیں۔ حاشا کہ ان کے لکھنے کا مدعا کسی کی دل آزاری کرنا اور دوسروں کی کمزوریاں بیان کر کے لذتِ نفس اٹھانا ہو۔ لذت نفس اٹھانا اور وہ بھی اپنی ہی ملت کی کمزوریوں کے ذکر وبیان سے، انتہائی سفلہ پن اور دنائت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہر انسان کو بالخصوص ہر مسلمان کو دور رکھے۔ دراصل یہاں جو کچھ بھی کہا جا رہا ہے اس کا محرک صرف احساس درد ہے جس کا ملت اور افراد ملت کی نادیدنی صورتحال کے مسلسل مشاہدے سے پیدا ہونا ناگزیر ہے، اور جس سے کوئی حساس دل بیگانہ نہیں رہ سکتا۔ اس لیے اگر سلسلۂ گفتگو میں تلخی کا رنگ آگیا ہو تو اس کو اسی شدت احساس کا نتیجہ سمجھنا چاہیے۔ اور یقین رکھنا چاہیے کہ یہ تلخی منافقانہ اعمال وصفات کے خلاف ہے، ان لوگوں کے خلاف نہیں ہے جن کے اندر ان اعمال وصفات نے راہ پالی ہے، کہ یہ لوگ فی الواقع ہمدردی اور رحم کے مستحق ہیں نہ کہ غصے اور نفرت کے۔

اس سلسلہ میں ایک اصولی بات لازماً پیش نظر رہے اور وہ یہ کہ اس کتاب میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ فقہ اور فتوے کی قانونی زبان میں نہیں، بلکہ دعوت اور اصلاح کی زبان میں کہا گیا ہے۔ "قانونی زبان" میں ہونے کا مطلب تو یہ ہے کہ جو کچھ اس میں کہا گیا ہے اس سے لوگوں کے نفاق کا فقہی طور پر فیصلہ کیا جانا اور اس کے معیار پر بظاہر پورے اترنے والوں کو منافق ٹھہرانا مقصود ہے۔ "دعوت اور اصلاح کی زبان" میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ لوگوں کو ان اعمال، افکار، صفات اور اخلاق سے خبردار کرنا مدنظر ہے جو حقیقت ایمانی کے ساتھ کسی طرح جوڑ نہیں کھاتے، جو ایک مومن کے اختیار کرنے کے ہرگز قابل نہیں، جو صرف جھوٹے مسلمانوں اور منافقوں ہی کے شایان شان ہو سکتے ہیں اور جن کا وجود اس بات کا غماز ہے کہ دل ابھی تک اخلاص ایمانی کا لذت شناس نہیں۔ یوں اس کی حیثیت تنقیص، تفسیق اور تضلیل کی نہیں، بلکہ صرف تنقید اور تنبیہہ کی ہے، جس کا مقصود اس کے سوا کچھ نہیں کہ لوگ ان باتوں سے بچیں اور اپنے آپ کو ان سے پاک کرنے کی فکر وسعی کریں کیوں کہ اس کے بغیر،

جیسا کہ آغاز گفتگو میں عرض کیا جاچکا، ایک مسلمان کا اپنے آپ کو "غیر اسلام" سے محفوظ رکھنا سخت دشوار ہے، اور دعوت و اصلاح کا کام کبھی کیا نہیں جاسکتا جب تک لوگوں کو ایمان و اسلام کے ساتھ غیر ایمان اور غیر اسلام کی مکمل تصویر بھی نہ دکھادی جائے۔ یہ جو آپ قرآن و سنت میں کفار و مشرکین اور اہل نفاق کے اعمال و صفات کا اس کثرت سے تذکرہ پاتے ہیں وہ بھی دراصل اسی مصلحت سے ہے۔ بالفاظ دگر قرآن کے صفحات میں اہل کتاب، کفار، مشرکین اور منافقین کے ظاہری و باطنی احوال کو اگر قیامت تک کے لیے محفوظ کردیا گیا ہے تو یہ اسی لیے کہ وہ کتاب قانون سے زیادہ کتاب اصلاح و دعوت ہے، اور قیامت تک کے لیے اسے دنیا میں ایک داعی اور مصلح کا فرض انجام دینا ہے۔ ورنہ کوئی ضرورت نہ تھی کہ وحی خداوندی ان گمراہوں اور غلط کار لوگوں کے اعمال و خصائل کے تذکرے کو اتنی اہمیت دیتی۔ ان کا اتنا تفصیلی جائزہ لیتی، ان کے ایک ایک گوشے کو نمایاں کرتی اور پھر اس تذکرے کو، "وحی متلو" کا ایک باضابطہ جزو بنا کر وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ، کے وعدے میں شامل کرلیتی۔ لیکن اس نے ایسا کرنا ضروری سمجھا، اس لیے کہ وہ ایک کتاب دعوت و اصلاح تھی اور ایک داعی و مصلح کو یہ فکر بھی کرنی ہی پڑتی ہے کہ ان باتوں کو اچھی طرح بے نقاب کرکے دکھا دیا جائے جو ضلال و فساد ہوں، تاکہ لوگ، اس کی پیروی کا دم بھرنے والے لوگ، ان سے پوری طرح مجتنب رہیں، اور ان کے فکر و عمل پر جہل و مادیت کا زنگ نہ چڑھنے پائے، غرض قرآن نے اہلِ کفر و نفاق کے اعمال و خصائص جو بیان کیے ہیں وہ اس لیے نہیں ہیں کہ زمانہ وحی کے کفار و منافقین کے اعمال و صفات کا کوئی تاریخی ریکارڈ رکھنا مقصود تھا، بلکہ اس لیے ہیں کہ اہل اسلام ان اعمال و اخلاق کو اپنی نگاہ میں رکھیں اور کبھی بھی انھیں اپنے دل و دماغ پر قابض نہ ہونے دیں۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس رمز سے بخوبی واقف تھے، اور انھوں نے قرآن کے اس حصے سے بھی جو کفار، مشرکین اور اہل کتاب و منافقین کے اعمال و صفات سے متعلق ہے ٹھیک فائدہ اٹھایا اور اسے اسی نظر سے پڑھا جس نظر سے پڑھنے کا حق تھا انھوں نے اسے محض افسانہ غیر نہیں سمجھا، بلکہ اپنے لیے ایک عبرت کا مرقع سمجھا۔ وہ برابر اپنے افکار و اعمال کو اس کے آئینے میں دیکھتے رہتے، اور اگر کوئی خفیف سے خفیف دھبہ بھی ان میں انھیں نظر آجاتا تو تھرا اٹھتے، اور بے تابانہ چیخ اٹھتے کہ ہائے کہیں میں منافق تو نہیں ہوگیا، حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب انھوں نے اپنی اس قلبی کیفیت کے اندر جو صحبت رسول میں انھیں حاصل ہوا کرتی تھی، باہر ہوتے وقت فرق محسوس کیا تو اپنے اخلاص ایمانی کے بارے میں انھیں سخت بے اطمینانی ہوئی، بھاگے ہوئے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اپنا اضطراب ظاہر کیا۔ حضرت ابوبکر نے سن کر فرمایا۔ یہی حال تو میرا بھی ہے۔ اب دونوں حضرات دربار رسالت میں اپنی پریشانیاں

لے کر پہنچے اور روئے مبارک دیکھتے ہی حضرت حنظلہ کی زبان بے قرار چلا اٹھی " نافَقَ حَنظَلَه"
(اے اللہ کے رسول! حنظلہ تو منافق ہو گیا) آپ نے تفصیل پوچھی اور پھر تسلی دی کہ یہ نفاق نہیں
ہے۔ یہ تو ایک قدرتی فرق ہے جو تمہارے دلوں میں ہونا ہی چاہیے۔ جو کیفیت یہاں میرے
روبرو تمہاری ہوتی ہے وہ یہاں سے ہٹنے کے بعد قائم نہیں رہ سکتی۔ یہ تمہارے اخلاص ایمان کی سب
سے بڑی سند ہے کہ تم نے اس فرق کو محسوس کیا اور اس پر تمہیں اتنا اضطراب لاحق ہوا۔ اسی طرح
مشہور تابعی حضرت ابن ابی مُلیکہ فرماتے ہیں کہ "میں تیس صحابہ سے ملا ہوں، ان میں سے ہر شخص کو
میں نے اپنے متعلق اندیشہ نفاق سے ہراساں پایا"۔ (بخاری کتاب الایمان) ابراہیم تیمیؒ جیسا عابد و زاہد
تابعی جب اپنے قول و عمل میں موازنہ کرتا تو ڈر جاتا کہیں میں دین کا مکذب (جھٹلانے والا) تو نہیں
ہوں (ایضاً) حضرت حسن بصری کا کہنا تھا کہ نفاق کی طرف سے مطمئن صرف منافق ہی ہو سکتا ہے، اور
اس سے چوکنا رہنا صرف مومن کی صفت ہے (ایضاً) یہی حقائق تھے جن کے باعث امام بخاریؒ نے
ایک مستقل باب ہی ان لفظوں کا قائم کیا "خوف المومن ان یحبط عمله وهو لایشعر" یعنی مومن کا
اس بات سے اندیشہ ناک رہنا کہ کہیں کسی حرکت سے اس کا عمل حبط نہ ہو جائے اور اس کو اس کا شعور
بھی نہ ہونے پائے۔

حضرات صحابہ و تابعین کے اس اسوے کو دانتوں سے پکڑنے کی ضرورت ہے۔ دراصل
احتساب نفس ہی ایمان کا محافظ ہے یہ نہ ہو تو ایمان کی خیر نہیں۔

امید ہے کہ ان سطور کے بعد کسی غلط فہمی کا امکان باقی نہ رہ جائے گا، اور یہ بات ذہن نشیں
ہو جائے گی کہ اس کتاب کا مقصد تالیف دوسروں کے اخلاص و ایمان کی پیمائش کرنا نہیں ہے۔ بخلاف
اس کے اس کا حقیقی مدعا یہی ہے کہ ہم میں سے ہر شخص خود اپنے ایمان و عمل کی پیمائش کرے اور برابر
کرتا رہے، اور جہاں بھی کوئی کھوٹ نظر آئے اسے دور کرنے کی مردانہ وار جدوجہد کرے۔ ہاں
دوسروں کے اعمال و احوال کا اس کتاب کے مندرجات کی روشنی میں اگر اندازہ لگانا ضروری ہے تو
صرف ایک پہلو سے اور وہ ہے اتباع اور رہنمائی کا پہلو۔ یعنی جس کسی شخص یا اشخاص کو اپنی رہنمائی کے
لیے منتخب کرنے جا رہے ہوں ان کو اس کسوٹی پر ضرور پرکھنا چاہیے۔ کیونکہ جو لوگ اپنے افکار اور
اعمال میں ایمان و اخلاص کا یقین نہ دلا سکیں، ان کو اپنی پیشوائی کے لیے ہم نہ عقلاً منتخب اور قبول کر سکتے
ہیں نہ شرعاً۔ یہ دوسری بات ہے کہ ان کے بارے میں ہم کوئی قطعی حکم بھی نہ لگائیں۔ کیونکہ غیب کا
علم اللہ کے سوا کس کو ہے؟ مگر کسی کو یقینی طور سے متہم قرار نہ دینا الگ شے ہے اور اسے اپنا امام و پیشوا
مان لینا بالکل دوسری بات ہے۔

☆☆☆

دعوت اسلامی اور فتنۂ نفاق

اسلام کے مقابلہ میں دو طاقتیں ہمیشہ سے نبرد آزما چلی آرہی ہیں۔ ایک کفر، دوسری نفاق۔ تاریخ اسلامی کے ابتدائی صفحات، ہمیں بتلاتے ہیں کہ اسلام کی راہ میں جتنی مشکلات کفار نے پیدا کیں وہ ان موانع کی بہ نسبت کچھ کم نہ تھیں جو منافقین کی بدولت پیش آئیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کفار کی بھی اکثر معاندانہ کاروائیاں ان ہی منافقین کی خفیہ ریشہ دوانیوں کی رہینِ منت ہوا کرتی تھیں۔ انھوں نے بارہا مشرکین کو لڑائی پر ابھارا، غزوات میں مسلمانوں کی اپنی فریب کاریوں سے نقصان پہنچایا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی توہین و تذلیل کی، وطن اور حسب و نسب کے جھگڑے برپا کر کے مسلمانوں کی جمعیت پراگندہ کرنے کی کوششیں کیں۔ تقسیم غنائم کے مواقع پر کمزور ایمان رکھنے والوں کو رسول اللہ سے بدظن کیا، اسلامی نظام کے تندرست پیکر میں طرح طرح کے وبائی جراثیم داخل کرنے کی سعی کی۔ غرض ضرر رسانی کے جتنے طریقے ممکن ہو سکتے تھے ان میں سے کسی کو بھی فتنہ و شیطنت کے ان علمبرداروں اور دنیا کے ان پجاریوں نے باقی نہ اٹھا رکھا۔ کفر تو اسلام کے مقابلہ میں بے نقاب آتا ہے، ڈنکے کی چوٹ، اپنی عداوت کا اعلان کر کے، کھلے میدان میں دعوت پیکار دیتا ہے۔ لیکن نفاق پیشانی پر دوستی و رفاقت کا لیبل لگا کر، اسلام کے گھر میں بیٹھ کر، صدہا طریقوں سے اس کی بیخ کنی کرتا ہے اور اس انداز میں کہ بسا اوقات نگاہ ظاہر بیں کو اس کا ادراک تک نہیں ہوتا۔ پھر غور فرمایئے کہ کفر کے مقابلہ میں نفاق کی خطرناکیاں

کتنی زیادہ، کتنی بے پناہ اور کیسی کارگر ہوں گی؟ سورج کی روشنی میں زمین پر دوڑتے ہوئے بڑے سے بڑے اژدہے کو مار ڈالنا کچھ مشکل نہیں، لیکن جو ناگن آستین میں چھپی بیٹھی ہو، عام حالات میں اس کے زہر سے بچنا مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہے۔

خیر و شر کی کشمکش آج بھی اسی طرح جاری ہے جس طرح ابتدائے اسلام میں تھی۔ اور آج بھی حق کے مقابلہ میں وہی دونوں طاقتیں مصروف جنگ ہیں جو بدر و اُحد کے میدانوں اور مدینہ کی گلیوں میں تھیں۔ وہی شرار کفر ہے اور وہی فتنۂ نفاق۔ اور دونوں ہی اپنے اپنے طور پر قرآن اور اسلام کی جڑیں کھودنے میں منہمک ہیں۔ پس جس طرح اسلام کی مدافعت اور خدمت میں اس کے حقیقی پیرووں کے لیے کفر کے اس شرار کو بجھانا ضروری ہے اسی طرح نفاق کے اس فتنہ کا سر کچلنا بھی ناگزیر ہے، بلکہ اپنی اہمیت کے لحاظ سے یہ کارِ خدمت اولین توجہ کا مستحق ہے۔

کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ایک زمانے میں تو چند ہزار مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت روم و ایران کی شوکتوں کو پاش پاش کرنے کے بعد بھی اپنے حوصلوں میں کوئی سستی اور اپنے جسموں میں کوئی تھکن محسوس نہیں کرتی اور امت مسلمہ قلیل التعداد ہونے کے باوجود ساری متمدن دنیا پر اپنی برتری کا علم لہرا دیتی ہے، لیکن آج اسی اسلام کے نام لیوا اور اسی قرآن کے اتباع کا دعوی کرنے والے کروڑوں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی فضا کے ذروں کی طرح بے وزن ہیں، جاہلیت ان کے اوپر مسلط ہے، اور اسلامی نظام ایک داستان پارینہ بن کر رہ گیا ہے، جس کا نام لینے سے پہلے خود اس کے پیرووٗں اور علمبرداروں کو بھی اپنے گھروں کے دروازے بند کر لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟ کیا حق کی فطرت بدل گئی ہے؟ کیا خدا کا قانون الٹ گیا ہے؟ کیا اس انقلاب حال کی وجہ یہ ہے کہ فطرت اللہ پہلے اسلام کے غلبہ کی مقتضی تھی اور اب کفر کے غلبہ کی مقتضی ہو گئی ہے؟ اگر اس کا جواب نفی میں ہے' اور یہ حقیقت مسلم ہے کہ فطرۃ اللہ کبھی نہیں بدلتی، تو ماننا پڑے گا کہ تغیر دراصل اسلام کی فطرت میں نہیں بلکہ خود مسلمانوں کے نفس میں ہوا ہے۔

چالیس پچاس کروڑ کے عظیم الشان عدد سے دھوکا نہ کھایئے۔ یہ تعداد سب کی سب حقیقی مسلمانوں ہی کی نہیں ہے بلکہ اس میں بڑی کثرت سے ایسے لوگ بھرے ہوئے ہیں جو علمی

منافقت کے زہر سے بری طرح متاثر ہیں، حتی کہ اعتقادی نفاق کے مریضوں کی بھی کمی نہیں۔ان لوگوں کی ہر سو پھیلی ہوئی کثرت نے حقیقی مسلمانوں کی ایمانی طاقت کو بھی بے اثر بنادیا ہے۔ یہ دراصل ایک آماس ہے جو اسلام کے جسم کو لاحق ہو گیا ہے اور اس کے اندر کی رہی سہی واقعی توانائی کو بھی بروئے کار نہیں آنے دیتا۔ جب وہ حرکت کرنا چاہتا ہے تو یہ آماس[1] اس کا پاؤں پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے۔ پس آنکھیں میچنے سے کوئی فائدہ نہیں، نہ مصلحت کوشی اور مداہنت کبھی غیرت ایمان کو گوارہ ہوئی ہے۔ اس لیے کفر وجاہلیت پر ہاتھ اٹھانے سے پہلے خود اپنے جسم کے اس زہریلے آماس کو تحلیل کرنے کی ضرورت ہے، اور آخر میں آخری چارۂ کار کے طور پر مجبوراً نشتر چلادینے کی بھی پروانہ کرنی چاہیے۔ اگرچہ اس عمل جراحی سے اس موٹے جسم کا خون کثیر مقدار میں نکل جائے۔ قرآن اور اسلام کو ہرگز یہ پسند نہیں کہ امت کا جسم بس آماس یعنی نمائشی فربہی سے بھاری بھرکم نظر آتا رہے۔ انھیں تو اس پر اصرار ہے کہ جسم میں جو کچھ ہو خالص اور صالح مواد ہو۔ بلا سے اگر اس کی ظاہری لمبائی چوڑائی مرعوب کن نہ ہو۔ لہذا اسلام کی اصل صحت اور طاقت کا وقت وہ ہو گا جب اس کے جسم پر سے یہ غیر حقیقی موٹاپا دور کر دیا جائے[2]۔

قرآن کی زبان میں اس کام کو ”تمحیص“ کہتے ہیں۔ اس نے اس امر کو جو اہمیت دی ہے وہ کسی بھی صاحب نظر سے پوشیدہ نہ ہو گی۔ اس کی ان سورتوں پر جو ہجرت سے ذرا پہلے نازل ہوئیں اور اکثر مدنی سورتوں پر تدبر کیجیے، خصوصاً سورہ عنکبوت اور سورہ نساء کے مطالب پر غور کیجیے، تو آپ پر یہ حقیقت اچھی طرح روشن ہو جائیگی کہ سچے مومنوں کو جھوٹے مدعیوں سے

---

[1] سوجن، ورم

[2] ”نشتر چلادینے“، ”عمل جراحی کرنے“ اور ”غیر حقیقی موٹاپا دور کردینے“ کا مطلب صرف یہ ہے کہ اقامت واحیائے اسلام کی جدوجہد میں ان پر ہرگز اعتبار نہ کیا جائے، نہ ان کو کوئی اہمیت دی جائے۔ یہ مطلب نہیں کہ ان کو معاشرتی اور سیاسی حیثیت سے باضابطہ منافق قرار دے دیا جائے اور ملت سے ان کا رشتہ کاٹ دیا جائے۔

چھانٹ کر الگ الگ کرنا حزب اسلامی کی تنظیم کے لیے کس قدر اہم ہے۔ اب خود اندازہ کر لیجیے کہ اس فرض سے صرف نظر کر کے اسلام کی سچی بھلائی کا کام جب زمانہ نبوت میں نہیں ہو سکتا تھا تو بھلا پھر کبھی کیا ہو گا؟ اس لیے اگر ملت کو اپنا اجتماعی فریضہ 'شہادت حق کا فریضہ' انجام دینا ہے تو یہ ناخوشگوار فریضہ بھی اسے انجام دینا ہی پڑے گا۔

لیکن اسے مخالف اسلام طاقتوں کی خوش قسمتی کہیے یا اپنی بدقسمتی، کہ اب حالات جس قدر ان کے حق میں سازگار ہیں پہلے نہ تھے۔ اور ساری باتوں کو تو چھوڑیئے، آخر اس مشکل کا کیا علاج کہ ابو جہل اور ابو لہب تو اپنا نام خود بتا دیتے ہیں اور ہم انھیں پہچان کر ان کے شر سے بآسانی بچ سکتے ہیں، مگر یہ عبداللہ ابن ابی اور عبداللہ ابن سبا جو ہماری جماعت میں ایک دو نہیں۔ ان گنت موجود ہیں ان کا پتہ چلانے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں۔ کیونکہ ان کے نام بھی مسلمانوں کے سے ہیں، ان کی زبانوں سے اسلامی مفاد کے نعرے اور اسلامی درد کے نعرے بھی سننے میں آتے ہیں۔ حتی کہ بسا اوقات یہ ہاتھوں میں تسبیحیں اور بغل میں مصلے بھی لیے ہوتے ہیں۔ اب کہاں وہ نگہ نبوت کی معصوم بصیرت جو ان کی پس پردہ ذہنیتوں کو پڑھ کر ہمیں ان کے شر سے آگاہ کرے گی؟ اور کہاں وہ پردۂ غیب اٹھا دینے والے پیغام وحی ہیں جو بوقت ضرورت، اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ کہہ کر ان کے بلند بانگ دعاوی کے فریب سے ہمیں متنبہ کر دیں؟

اس میں شبہ نہیں کہ ان دشواریوں کے پیش نظر قانونی حیثیت سے مومن اور منافق کی قطعی تمیز اور تخصیص بہت ہی مشکل، بلکہ بسا اوقات ناممکن ہے، لیکن جہاں تک اسلامی مقاصد کے لیے قابل اعتبار اور ناقابل افراد ملت کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کا تعلق ہے، یہ کام ہرگز ناممکن نہیں۔ ''قرآن حکیم اگر رب العالمین کا نازل کردہ ہے اور دنیا کی آخری زندگی تک کے لیے قول فیصل اور فرقان بن کر آیا ہے تو یقیناً اس کی قدر و حیثیت کا تقاضا ہے کہ اس حیرانی اور دشواری کے وقت بھی وہ ہماری رہبری کرے اور اس کی آیات منافقت کے ایک ایک مریض کی طرف انگلی اٹھا کر بتا دیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں تمھیں ہوشیار رہنا چاہیے، کیا معلوم کہ ان کے اندر کیا کچھ ہے؟ چنانچہ جب ہم اس غرض سے قرآن پر نگاہ ڈالتے ہیں تو معاً تصویر نفاق کے مختلف

رخ اور اس کے ایک ایک خط و خال وہ ہمارے سامنے بے حجاب کر دیتا ہے۔ یہ بے حجاب تصویر ہمیں وہ سب کچھ بتا دیتی ہے جس کے جاننے کے ہم حاجت مند ہیں۔ آیئے اس تصویر کو دیکھیں۔ لیکن سطح کے نقش و نگار دیکھنے سے پہلے اس کے باطن کا مشاہدہ بھی ضروری ہے۔ اس لیے پہلے نفاق کی حقیقت اور اس کے محرکات کا کھوج لگا لینا چاہیے۔ کیونکہ اس کے بغیر نفاق کے مختلف عملی مظاہر کی الگ الگ صحیح نوعیت نہیں معلوم کی جا سکتی۔

نفاق کی حقیقت

نفاق کسے کہتے ہیں :

''نفق'' کے بنیادی معنی، جس سے یہ لفظ ''نفاق'' نکلا ہے، گذر کر پار ہو جانے کے ہیں۔ پھر آگے چل کر اس اصل سے جتنے الفاظ نکلے ہیں، ان سب میں یہ بنیادی معنی قدر مشترک کے طور پر موجود ہے۔ مثلاً ''نفق'' سرنگ کو کہتے ہیں جس میں ایک طرف داخل ہونے کا اور دوسری طرف نکلنے کا راستہ ہوتا ہے ۔''نافقاء''چوہے کے اس بل کو کہتے ہیں جس میں دو سوراخ ہوتے ہیں، ایک گھسنے کا، دوسرا نکل بھاگنے کا۔پاجامے کا نیفہ ''نیفق'' کہلاتا ہے جس کا بھی یہی حال ہے۔ غرض ان سب چیزوں میں داخل ہو کر گذر جانے اور پھر پار ہو کر باہر نکل جانے کا مفہوم موجود ہے۔''نفاق'' کا لفظ بھی اسی برادری کا ایک فرد ہے اور اس کے معنی ہیں:۔

الدخول فی الشرع من باب والخروج من باب (مفردات امام راغب)

دین میں ایک دروازے سے داخل ہونا اور دوسرے سے باہر نکل آنا۔

دین میں داخل ہونے کے بعد پھر اس سے باہر نکل آنا دو وجہوں سے ہو سکتا ہے۔ایک تو یہ کہ دین میں داخلہ محض دکھانے کے لیے ہوا ہو، اور دل بدستور کفر وانکار پر جما ہوا ہو۔دوسری یہ کہ یہ داخلہ ہوا تو ہو اسلام سے تعلق خاطر ہی کی بنا کر، لیکن یہ تعلق خاطر اتنا ضعیف ہو کہ دوسرے تعلقات اس پر پوری طرح غالب ہوں۔ پہلی قسم کا نفاق ''نفاقِ بده'' اور دوسری قسم کا نفاق

"نفاق عمل" کہلاتا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے لفظوں میں:۔

اما منافقان دو قسم بودند

زمانہ رسالت میں منافق دو طرح کے تھے۔

(۱) گروہے بزبان کلمہ ایمان می گفتند و دل ایشاں مطمئن بود بکفر وجحود صرف بخاطر اظہار می کردند۔ دور حق ایشان است،

فی الدرك الا سفل من النار،

ایک تو وہ لوگ جو زبان سے کلمہ شہادت ادا کرتے تھے، مگر دل ان کے پوری طرح کفر اور جحود پر جمے تھے، صرف دھوکہ دینے کے لیے ایسا کہتے تھے یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔

"فی الدرك الاسفل من النار"

(۲) گروہے داخل شدند در اسلام بضعف، مثلا بہ عادات قوم خود معتاد اند، اگر قوم مسلمان باشد ایشاں نیز مسلم شوند واگر کافر باشد ایشاں نیز کافر، ومثلاً اتباع لذات دنیویہ ودینیہ بر دل ایشاں چنداں ہجوم کردہ است کہ محبت خداو محبت رسول راجائے نہ گذاشتہ، یا حرص مال وحسد وحقد، ومثل آں مالک قلب ایشاں شدہ است کہ حلادت ومناجات وبرکات عبادات رابخاطر ایشاں جائے گذاشت، ومثلا اشتغال بامور معاش چنداں مشغوف خود ساخت کہ اہتمام بامر معاد وآں را توقع داشتن ودر فکر آں افتادن فرصت نداد، ومثلًا در رسالت حضرت پیغمبر ماظنون واہیہ وشبہات، رکیکہ بخاطر ایشاں می گذرد۔ ہر چند تا آنجا نمی رسند کہ ضلع ربقہ اسلام کنند وازاں باب بکلی بر آیند ومنشاء آں شکوک جریان احکام بشریت است بر حضرت پیغامبر وظہور ملت اسلامیہ در صورت غلبہ ملوک بر اطراف ممالک ومانند آں، ومثلاً محبت قبائل وعشائر ایشاں ماہر آں داشت کہ در نصرت ایشاں وتقویت وتائید ایشاں ماہر چند خلاف اہل اسلام باشد سعی بلیغ بہ تقدیم رسانند ودریں مقابلہ امر اسلام ست کنند۔ وایں قسم نفاق عمل ونفاق اخلاق است۔ (الفوز الکبیر)

(۲) دوسرے وہ لوگ جو دائرہ اسلام میں داخل تو ہوگئے تھے مگر ان کے ایمان میں کمزوریاں

تھیں۔ پختگی نہ تھی (اس ضعف ایمانی کی مختلف نوعیتیں تھیں) مثلاً ایک گروہ توان لوگوں کا تھا جو ہر معاملہ میں اپنی قومی روش کو دیکھتے تھے اگر قوم مسلمان ہوئی تواس کے پیچھے یہ بھی مسلمان ہوگئے اور اگر وہ کافر رہی تو یہ بھی کافر رہے۔ دوسرا گروہ ایسے لوگوں کا تھا جن کے دلوں پر دنیا کی حقیر لذتوں کا عشق بری طرح چھایا ہوا تھا ایسی بری طرح کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے لیے ان میں کوئی جگہ خالی نہیں رہ گئی تھی، یا دولت کی لالچ، حسد اور کینہ وغیرہ باطنی کثافتیں اس طرح ان کے دلوں پر قبضہ کیے ہوئے تھیں کہ دعا کی حلاوتوں اور عبادت کی برکتوں کے محسوس کرسکنے کا کوئی موقع باقی نہیں رہ گیا تھا۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا تھا جن کو معاشی افکار واشغال نے اپنا دیوانہ بنا رکھا تھا اور وہ ان کو فرصت ہی نہ لینے دیتے تھے کہ وہ آخرت کا بھی کوئی خیال کریں اور اس سے اپنی امیدیں وابستہ کریں۔ چوتھا گروہ ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جن کو آنحضرت ﷺ کی نبوت پر پورا اطمینان ہی نہیں تھا، اور اس باب میں ان کے سینے بیہودہ گمانوں اور رکیک شبہوں کی گذرگاہ بنے ہوئے تھے۔

اگرچہ یہ شبہات اس حد کو نہیں پہنچے ہوئے تھے کہ وہ اپنی گردنوں سے حلقہ اسلام نکال کر باہر پھینک دیتے اور اس سے علانیہ کنارہ کش ہو جاتے۔ ان شبہات کی پیدائش کا سبب یہ تھا کہ حضرت نبی کریم ﷺ کے عام حالات بشریت کے حالات تھے اور ملت اسلامیہ کا ظہور اور عروج اطراف عالم پر ملوکانہ اقتدار کی شکل میں ہوا۔ (اور یہ دونوں ہی باتیں ان کی ناقص فہم کے تراشے ہوئے معیار کے مطابق نہ تھیں) یہ اور اسی طرح کے کچھ اور بھی اسباب تھے جنہوں نے ان کو مسئلہ نبوت محمدی میں غیر مطمئن بنا رکھا تھا۔ پانچواں گروہ ایسے افراد کا تھا جن کے اندر قبائلی اور خاندانی محبت اس حد تک رچی بسی ہوئی تھی کہ اس نے ان کو مجبور کیا کہ اپنے اپنے قبیلوں کی تائید واعانت میں ہر طرح کی مساعی پر ثابت قدم رہیں۔ اگرچہ وہ اہل اسلام کے خلاف ہی کیوں نہ پڑتی ہوں اور اس طرح حق وباطل کے معرکہ میں مفاد اسلام کو مجروح کرنے سے دریغ نہ کریں۔ نفاق کی اس قسم کو نفاق عمل یا نفاق اخلاق کہتے ہیں۔

قرآن مجید نے منافقین کے احوال وصفات پر جو مفصل تبصرے کیے ہیں، شاہ صاحب نے ان مختصر لفظوں میں دراصل ان ہی تبصروں کا ایک اصولی تجزیہ کیا ہے۔ اس لیے ان کے اس

تجزیے کو ذہن میں رکھیے کیونکہ آگے جو مباحث آئیں گے وہ بڑی حد تک اسی اجمال کی تفصیل ہوں گے۔

نفاق کے بنیادی محرکات :

نفاق کا رویہ اختیار کرنے پر انسان کو جو چیزیں ابھارتی ہیں ان کی تفصیل تو بہت لمبی ہے لیکن اس کے بنیادی محرکات صرف تین ہیں:۔ (۱) اسلام کو اندر سے سبوتاژ کرنے کی خواہش (۲) مادی مفاد کی پرستش (۳) حقائق دینی کے صحیح ادراک سے محرومی۔

ان میں سے پہلا محرک "نفاق عقیدہ" کے ساتھ اور تیسرا "نفاق عمل" کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہ گیا دوسرا محرک تو وہ دونوں میں مشترک ہے۔ اس سے نفاق عمل بھی پیدا ہوتا ہے اور نفاق عقیدہ بھی۔ قرآن میں منافقین کی جو حرکات بھی بیان کی گئی ہیں ان کی تہہ میں انہی تین بنیادی محرکات میں سے کوئی نہ کوئی محرک کام کرتا ہوا لازماً نظر آتا ہے:۔ مثلاً:

۱۔ یہ اسلام کو اندر سے سبوتاژ کرنے کی شیطانی خواہش ہی تھی جس نے مسجد ضرار بنوائی تھی۔ چنانچہ جب بنانے والوں نے کہا کہ اس تعمیر سے ہمارا مقصد سوائے نیکی اور بھلائی کے اور کچھ نہیں۔ اِنْ اَرَدْنَآ اِلاَّ الْحُسْنٰی، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یہ جھوٹے ہیں (اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ) ان کا مقصد تو یہ ہے کہ اس طرح وہ مسلمانوں کی جمعیت میں پراگندگی ڈال کر ان کی قوت کا شیرازہ بکھیر دیں۔ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًاۢ بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ الخ (التوبۃ:۱۰۷)

۲۔ یہ ذاتی مفاد جان و مال کی پرستش ہی تھی کہ کچھ لوگ مسلمانوں اور اسلام کے دشمنوں، دونوں سے یکساں یارانہ رکھنا چاہتے تھے، اور مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا، اور دشمنان اسلام کے سامنے اپنے نامسلمان ہونے کا یقین دلایا کرتے تھے۔ مقصود اس دورخے پن کا صرف یہ تھا کہ وقت پر دونوں گروہوں سے حقوق اور فائدے حاصل ہوں فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا الخ (النساء:۱۴۱) یا کم از کم یہ کہ ہر فریق سے محفوظ رہیں اور کسی کی بھی مخالفت کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ (النساء :۹۱) وہ تم سے بھی محفوظ رہنا چاہتے ہیں اور اپنی قوم سے بھی۔

۳۔ یہ حقائق قرآنی اور تعلیمات اسلامی کے صحیح ادراک سے محرومی ہی تھی کہ جب احد کے میدان میں کچھ سخت حالات سے سابقہ پیش آیا تو ایک گروہ کے دماغوں میں وہ خیالات گردش کرنے لگے جن کا ایمان سے کوئی جوڑ نہیں۔ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ (آل عمران: ۱۵۴)

یہ تینوں محرکات کی مثالیں ہیں۔ آپ جس قسم کے منافقین کی ذہنیتوں کا بھی جائزہ لیں گے۔ ان ہی تین میں سے کوئی نہ کوئی محرک ان میں پنہاں نظر آئے گا۔ یہی وجہ ہے کہ منافقین کے اعمالِ بد پر زجر و ملامت کرنے کے بعد جب قرآن مجید انھیں کچھ نصیحتیں کرتا ہے تو ان نصائح کے پس منظر میں ان ہی تین باتوں میں سے کوئی ایک بات ضرور ہوتی ہے۔ یعنی یا تو وہ یہ سمجھاتا ہے کہ سازشوں اور کیادیوں سے اسلام کی بڑھتی ہوئی رو کو نہیں روکا جاسکتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ خود اپنے آپ کو تباہ کررہے ہیں۔ یا پھر وہ یوں فرماتا ہے کہ دیکھو جان، مال اور اولاد کی غیر معتدل محبتوں سے بچو، یہ فتنہ ہیں۔ یا پھر وہ ایمان افروز مواعظ اور دلائل سناتا ہے اور ذہنوں کو شکل وریب کے امراض سے پاک کرکے توحید اور قیامت کی بے آمیز حقیقتیں ان میں مضبوطی سے جمانے کی کوشش کرتا ہے۔ پہلے قسم کا انداز بیان وہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب اس کے سامنے وہ لوگ ہوتے ہیں جو اسلام کو اندر سے تباہ کرنے کی غرض لے کر اس کے گھر میں داخل ہوئے ہوتے ہیں۔ دوسرے قسم کا انداز موعظت وہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ مخاطب کو نفاق کی بیماری میں مفاد پرستی نے مبتلا کررکھا ہے۔ تیسرے قسم کا اندازِ تفہیم وہ اس وقت اختیار کرتا ہے جب اس کا روئے سخن اصول دین کی حقیقت نہ پاسکنے والے عملی منافقین کی طرف ہوتا ہے۔

منافقین کی قسمیں

منافقین کی اصولی تقسیم :

اگر چہ نفاق کے بنیادی محرکات تین ہیں، اور نفاق یا تو اعتقاد کا ہوتا ہے یا پھر عمل کا۔ اس لیے ریاضی کے حساب سے منافقین کی اصولی قسمیں چھ ہونی چاہئیں۔ لیکن باعتبار واقعہ یہ قسمیں صرف چار ہیں۔ کیونکہ ان محرکات میں سے دو تو ایسے ہیں، جن سے عملاً صرف ایک ہی قسم کے منافق وجود میں آتے ہیں۔ اور صرف ایک محرک ایسا ہے، جن سے اعتقادی اور عملی دونوں ہی قسم کے منافق پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا۔ یہ چاروں قسمیں حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ اسلام کو اندر سے تباہ کرنے والے اعتقادی منافق۔ یعنی وہ لوگ جن کو اسلام سے فی الواقع کوئی لگاؤ نہ ہو، بلکہ وہ اس کے منکر اور کٹر دشمن ہوں، مگر مسلمانیت کا لبادہ اوڑھ کر مسلمانوں میں اس لیے آگھسے ہوں کہ ان کے خیال میں اسلام کی بیخ کنی کا یہ ایک کارگر طریقہ ہے۔

۲۔ مفاد پرست اعتقادی منافق۔ یعنی وہ لوگ جو حقیقتاً اسلام کے صدفی صد منکر اور مخالف ہوں۔ لیکن محض اپنے دنیوی مفاد کی حفاظت کرنے یا کچھ مزید مادی مفادات حاصل کرنے کی خاطر ''مسلمان'' بنے ہوں۔ گویا اس گروہ کی منافقت کا اصلی محرک اسلام کی عداوت اور اُس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی خواہش نہیں بلکہ اپنے ذاتی اغراضِ مادی کی پرستش ہے، جب کہ پہلے گروہ کا حقیقی محرک نفاق اس کے برعکس اپنے مادی مفادات کی حفاظت یا تحصیل نہیں

بلکہ اسلام کی خواہش استیصال ہے۔ تاہم یہ گمان کرنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ مفاد پرست منافق استیصال اسلام کی فکر اور خواہش سے بالکل خالی ہوں گے۔ قدرتاً یہ خواہش ان کے اندر بھی ہوگی اور ضرور ہوگی۔ یہاں سوال جو کچھ ہے اصل محرک کا ہے، وہ اصلی محرک جو درحقیقت کسی انسان کی عملی پالیسی بناتا ہے اور باقی جذبات و میلانات جس کے تابع ہوتے ہیں اور اس کے اذن کے بعد ہی ظہور میں آتے ہیں۔

۳۔ شک وریب میں مبتلا عملی منافق۔ یعنی وہ لوگ جو ہوں تو دائرہ اسلام ہی میں، مگر توحید، آخرت، نبوت، جزاوسزا وغیرہ اصول دین کی ضروری معرفت سے بے بہرہ ہوں۔

۴۔ مفاد پرست عملی منافقین۔ یعنی وہ لوگ جو دائرہ اسلام سے باہر تو نہ ہوں مگر ان کا اسلام سے رشتہ اتنا بودا ہو کہ جب اسلام کے تقاضوں اور ذاتی مفاد کے تقاضوں میں ٹکراؤ ہو تو یہ رشتہ ٹوٹ ٹوٹ جائے۔

پھر ان اصولی قسموں کی بھی ذیلی قسمیں ہیں کیونکہ محرکاتِ نفاق ہمیشہ ایک ہی شکل و صورت والے منافق نہیں پیدا کرتے۔ اسی طرح نہ تو عقیدے کا نفاق ہمیشہ کسی ایک ہی عملی پالیسی کا روپ اختیار کرتا ہے، نہ عمل واخلاق کا نفاق کسی متعین قالب میں ظہور کرتا ہے۔ بلکہ یہ اشکال اور قوالب متعدد ہوتے ہیں۔ جن کا قرآن میں مفصل تجزیہ کیا گیا ہے۔ نفاق کی حقیقت جاننے اور اس کی صورت پہچاننے کے لیے الگ الگ ان سب شکلوں اور ذیلی قسموں کا جاننا از بس ضروری ہے اس لیے ہم یہاں ترتیب وار ان چاروں اصولی قسموں کو لے کر ان کی ذیلی اقسام کا بھی مختصر تذکرہ کریں گے۔

قسم اول

یہ سب سے خطرناک قسم کے منافق ہیں، کیونکہ اسلام کی تباہی ان کی زندگی کا مشن ہوتی ہے اور وہ کسی مجبوری کی بنا پر نہیں بلکہ ایک باقاعدہ سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ایوان اسلام میں آگھسے ہوتے ہیں اور چاہتے یہ ہیں کہ اندر ڈائنامیٹ بچھا کر پورے ایوان کو بھک سے اڑا دیں۔ ان کو آپ لشکرِ نفاق کا جانباز دستہ کہہ سکتے ہیں۔ نزولِ قرآن کے وقت ایسے منافقین کی تین قسمیں تھیں۔

ا۔ کفر وارتداد کے سازشی مبلغ :

ایک گروہ توان لوگوں کا تھا جو اسلام قبول کرنے کا اعلان صرف اس لیے کرتے تھے کہ بعد میں مرتد ہو جائیں گے اور منہ بگاڑے ہوئے اسلام سے باہر نکل آئیں گے تا کہ دنیا کو اور خود مسلمانوں کو اسلام سے متنفر اور برگشتہ کر سکیں۔ ان سے کہہ سکیں کہ اسلام کا ظاہری رنگ وروغن تو واقعی بڑا دلکش ہے، مگر اندر کیا کچھ ہے کچھ نہ پوچھو۔ بس یہ جان لو کہ اگر اسلام حق مذہب ہوتا تو ہم اسے قبول کر کے چھوڑ کیوں دیتے؟ اس طرح یہ اگلے محاذ پر لڑنے والے کھلے مخالفین اسلام (ائمہ کفر) کو بھی ایک نہایت موثر ہتھیار فراہم کرنے کی ترکیب تھی۔ کیونکہ وہ ان نمائشی واقعات ارتداد کو لے کر اسلام کے خلاف بڑا ہی زبردست پروپگنڈہ کرتے اور کہتے کہ اسلام کا "روکار" تو بڑا نظر فریب ہے مگر "اندرون خانہ" کی کیفیت ان واقفان حال سے پوچھو جو اس فریب سے مسحور ہو کر اندر گئے تھے مگر وہاں ٹھہر نہ سکے اور حقیقت حال جب عیاں ہوئی تو الٹے پاؤں پھر آنے پر مجبور ہو گئے۔ قرآن اس گروہ کا تذکرہ ان لفظوں میں کرتا ہے۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ. (آل عمران : ۷۲)

اہل کتاب میں سے ایک گروہ اپنے آدمیوں سے کہتا ہے کہ مسلمانوں پر جو قرآن اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس کا انکار کر دو تا کہ دوسرے بھی (تمہیں دیکھ کر اس دین سے) پھر جائیں۔

اسلام کی اجتماعی طاقت کو توڑنے اور اس کی ہوا اکھاڑنے کے لیے دشمنوں کا یہ کتنا موثر نفسیاتی حربہ تھا؟ اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے یہ بات لازماً پیش نظر رہے کہ کفر وارتداد کے یہ سازشی مبلغ مشرکوں میں سے نہ تھے بلکہ اہل کتاب میں سے تھے اگر وہ مشرکوں میں سے ہوتے تو ان کے اس داؤں کا کوئی موثر نتیجہ شاید ہی برآمد ہوتا۔ کیونکہ اس وقت یہ تاویل کی جا سکتی تھی کہ یہ لوگ پشتہا پشت سے توحید، معاد، نبوت اور وحی کی حقیقت سے نابلد چلے آ رہے تھے، اس لیے آسانی سے ان کے ذہن قرآن کی ان بنیادی تعلیمات کو ہضم نہیں کر سکے اور وہ الٹے پاؤں پھر گئے۔ لیکن جب یہ الٹے پاؤں پھر جانے والے اہل کتاب ہوں —— اور بہت ممکن ہے کہ علماء اہل کتاب ہوں —— تو

اس تاویل کی بھی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ یہ لوگ تو وہ تھے جن کے واقف اسرار ہونے میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا تھا، توحید، معاد، نبوت، غرض سارے ہی حقائق دینی کی "معرفت" ان کی تو گھٹی میں پڑی ہوئی تھی۔ اس لیے اگر یہ لوگ اسلام کے گھر میں داخل ہونے کے بعد منہ بنائے ہوئے باہر نکل آئے تو اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اسلام یقیناً ایک باطل دین ہے! یہ دوسری بات ہے کہ بفضل خدا ان کا یہ اندازہ صحیح نہ نکلا۔

۲۔ دشمنانِ اسلام کے جاسوس :

دوسری قسم ان منافقین کی تھی جو اسلام کا دعوی کر کے مسلمانوں کی جمعیت میں اس لیے گھس گئے تھے کہ ان کے سیاسی عزائم و تدابیر کی ٹوہ لگاتے رہیں اور اپنی قوم کو یا دوسرے اعدائے اسلام کو ان سے باخبر کیا کریں۔ قرآن میں ان کا گروہی تعارف یوں کرایا گیا ہے۔

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ٥ (المآئدة:۴۱)

یہ لوگ جھوٹ کے لیے کان لگانے والے ہیں۔ ان دوسرے لوگوں کے لیے باتیں سننے والے ہیں جو تمہارے پاس نہیں آئے۔

اور ان کی شر انگیزیوں اور وسوسہ کاریوں کا حال ان لفظوں میں بیان فرمایا گیا ہے :

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِىْ تَقُوْلُ (النساء:۸۱) وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ (النساء: ۸۳)

منہ سے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اطاعت گذار ہیں مگر جب تمہارے پاس سے اٹھ کر جاتے ہیں، تو ان میں سے ایک گروہ تمہارے کہے کے خلاف، راتوں کو کچھ اور ہی پکارتا ہے اور جب ان کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر آتی ہے تو اسے اہل حل و عقد کے پاس صیغہ راز میں رکھنے کے بجائے پھیلا دیتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نُهُوْا عَنِ النَّجْوٰى ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ. (المجادلة:۸)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنھیں سرگوشیاں کرنے سے منع کیا گیا تھا۔

لیکن پھر بھی وہ باز نہیں آئے اور گناہ اور زیادتی اور نافرمانیِ رسول کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔

گو جاسوس ہونے کی وجہ سے ان لوگوں کی اصل کامیابی اسی میں تھی کہ کہیں سے بھی اپنا راز دروں ظاہر نہ ہونے دیں، اور وہ اس احتیاط میں کچھ خام کار بھی نہ تھے لیکن اندر کی کڑھن ان کے لیے عذاب جان تھی جو دشمن اور معاند اپنے جذبات عناد کا کسی نہ کسی طرح اظہار کر دیتا ہے، اس کا دل بہر حال کچھ نہ کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ مگر جاسوسی کی شدید احتیاط پسندی جس معاند کے اعمال واقوال پر پہرے بٹھائے ہو، اس بدنصیب کو تو عذابِ باطن کی تخفیف کا یہ موقع بھی میسر نہیں۔ اس لیے قدرتاً ان جاسوس منافقوں کے سینے ایک ایسے تنور کے مانند تھے جس میں اسلام کی نفرت اور عداوت کی آگ ہر دم جلتی رہتی تھی، وہ مسلمانوں کی برتری اور خوشحالی کو دیکھ کر غصہ سے پاگل ہو جاتے اور انھیں مصائب میں گھرا دیکھ کر قلبی مسرت محسوس کرتے۔ قرآن ان کی اس کینہ جوئی کے مکروہ چہرے سے یوں نقاب اٹھاتا ہے۔

> وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْآ اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ.... اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا.
>
> (آل عمران: ۱۲۰۔۱۱۹)
>
> جب یہ لوگ تم (مسلمانوں) سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں، اور جب علیحدہ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے مارے اپنی انگلیاں چبائے لیتے ہیں۔ اگر تمہارا کوئی بھلا ہوتا ہے تو یہ رنجیدہ ہو جاتے ہیں اور اگر تمہیں کوئی گزند پہنچتا ہے تو انھیں بڑی خوشی ہوتی ہے۔

۳۔ تفرقہ انگیزی کے علمبردار :

تیسری قسم ان لوگوں کی تھی جو ملت اسلامی میں محض تفرقہ ڈالنے اور فتنہ وفساد برپا کرنے کی خاطر گھس آئے تھے۔ یہ لوگ عموماً نازک مواقع کی گھات میں رہتے، اور اگر ملت اسلامی کی شیرازہ بندی مضبوط ترین رشتوں سے ہوئی تھی تو شیطان کے یہ ایجنٹ بھی تفرقہ اندازی کے وہ

کامیاب ترین طریقے استعمال کرتے جو ان کا "معلم" آج تک ایجاد کر سکا ہے۔ یعنی مذہبی تفرقہ اندازی اور نسلی و وطنی اختلاف انگیزی کے طریقے۔ چنانچہ ایک طرف تو انھوں نے یہ کوشش کی کہ اس دین کو دین ہی کے نام سے اور "دین" ہی کے ذریعہ تباہ کیا جائے۔ شر کو خیر کا جامہ پہنا کر خیر کے سر پر دے مارا جائے اور زہر ہلاہل کو تریاق کا رنگ دے کر ملت اسلامی کے حلق میں اتار دیا جائے۔

دوسری طرف ان کی سعی یہ تھی کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان نسلی، قومی اور وطنی اختلافات پیدا کر دیں۔ اور موقع پا کر قبائلی عصبیتوں کو ابھار کر انھیں باہم ٹکرا دیں۔ وہ جانتے تھے کہ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک داؤ بھی کامیاب ہو گیا تو پھر کچھ اور کرنے کی ضرورت نہ رہے گی، اور جو دعوت ایک سیل رواں کی طرح سطح ارض پر چھائی چلی جا رہی ہے وہ خود اس طوفانِ اختلاف میں غرق ہو جائے گی۔ حسب ذیل دو واقعات سے ان کی ان دونوں قسم کی فتنہ زائیوں[1] کا صحیح اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے:۔

(۱) آنحضرت ﷺ جب کفر زارِ مکہ سے مایوس ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت فرما ہوئے تو ابتداء میں آپ نے شہر سے تین میل کے فاصلے پر قبا نامی ایک مقام پر چند روز قیام فرمایا تھا (بہ اختلاف مورخین چار دن یا چودہ دن قیام رہا) اس اثناء میں باقاعدہ اور باجماعت نماز ادا کرنے کے لیے آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک مسجد کی بنا ڈالی جو مسجد قبا کے نام سے مشہور ہوئی۔ ۹ھ میں ابو عامر راہب کے اشارے پر منافقین نے اس کے قریب ہی ایک اور مسجد بنائی اور مشہور کیا کہ کمزور اور مجبور لوگوں کے لیے جو بارش یا رات کی تاریکی میں اس مسجد تک نہیں جا سکتے ہم نے یہ انتظام کیا ہے تاکہ وہ آرام سے یہاں نماز پڑھ لیں۔ تعمیر مکمل ہو چکنے کے بعد آنحضرت ﷺ سے ان منافقین نے استدعا کی آپ بطور تبرک اس کا افتتاح فرما دیں۔ اس کے بعد ہم نماز پڑھیں گے۔ قبل اس کے کہ آپ ان کی اس خواہش کو عملاً شرفِ پزیرائی بخشتے، عالم الغیب نے ان بدطینت لوگوں کی اس مکروہ اور خطرناک چال کا راز فاش کرتے ہوئے آگاہ کیا کہ:۔

---

[1] آفت ڈھانے والا

وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَاراً وَّکُفْراً وَّتَفْرِیْقًا بَیْنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَ اِرْصَاداً لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰہَ وَرَسُولَہٗ مِنْ قَبْلُ وَلَیَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلاَّ الْحُسْنٰی وَاللّٰہُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَo لاَ تَقُمْ فِیْہِ اَبَداً. الخ

(التوبة: ۱۰۸۔۱۰۷)

اور (ایک قسم کے منافق وہ بھی ہیں) جنھوں نے اس غرض سے ایک مسجد تیار کی ہے کہ (مسلمانوں کو) نقصان پہنچائیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کریں اور مسلمانوں میں تفریق پیدا کردیں۔ اور ان لوگوں کے لیے کمین گاہ مہیا کریں جو پہلے اللہ اوراس کے رسول سے جنگ کر چکے ہیں۔
(مسجد کی تعمیر تو اس نیت سے عمل میں آئی ہے لیکن جب پوچھا جائے گا تو) قسم کھا کر کہیں گے کہ نیکی کے سوا ہمارے ارادوں میں کوئی چیز نہیں۔ مگر خدا گواہی دیتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں (پس اے پیغمبر) تم اس مسجد میں ہر گز نماز نہ پڑھنا۔

(۲) غزوہ بنی مصطلق کے موقع پر ایک انصاری اور ایک مہاجر میں معمولی سی جھڑپ ہو گئی تھی۔ سید المنافقین عبد اللہ ابن ابی نے موقع غنیمت جانا، انصار کو ان کے اپنے نسلی اور قومی مفاخر یاد دلائے اور کہا کہ یہ غیر ملکی اب تمہاری عزت و غیرت کو بھی پامال کرنے لگے ہیں، کل تک تمہارے رحم و کرم پر جی رہے تھے، آج تمہارے منہ آرہے ہیں، بلکہ خود ذلیل ہوتے ہوئے الٹا تم ہی کو ذلیل اور کمتر سمجھ رہے ہیں۔ یہ تو وہی مثل ہوئی کہ ”سَمِّنْ کَلْبَکَ یَاْ کُلُکَ“ (اپنے کتے کو کھلا پلا کر خوب موٹا کرو تاکہ وہ تمہیں کاٹ کھائے) اللہ تعالیٰ نے تفریق ملت کے متوقع فتنے سے لوگوں کو فوراً متنبہ کیا اور عزت وذلت کے جاہلی تصورات کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:۔

یَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْھَا الْاَذَلَّ وَلِلّٰہِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لاَیَعْلَمُوْنَ.

(المنفقون۔۸)

یہ منافق کہتے ہیں کہ ”اگر ہم مدینہ لوٹے تو عزت والے (یعنی اہل مدینہ) ذلیل لوگوں (یعنی آنحضرت اور مہاجرین) کو وہاں سے نکال باہر کریں گے“ حالانکہ

اصلی عزت تو اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے۔ لیکن یہ منافق نہیں جانتے۔

قسم اول کے منافقین کی یہی تین ذیلی قسمیں تھیں۔ لیکن تین "قسموں" کے لفظ سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان کے درمیان لازما کوئی حد فاصل بھی تھی، اور کسی منافق کے کسی ایک قسم میں داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو باقی دو قسموں کے کام اور مقصد سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ اس کے برخلاف تین قسموں میں تقسیم کرنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ ان منافقوں کی عملی شر انگیزیوں کے بنیادی نکات سامنے آجائیں۔ ورنہ عملی حیثیت سے یہ عین ممکن ہے کہ ایک منافق بیک وقت دو قسموں میں شمار ہوتا ہو، اور کوئی پہنچا ہوا منافق تینوں قسم کے کارنامے انجام دے رہا ہو۔ کیونکہ ان تینوں گروہوں کا محرک عمل، نقطہ نظر اور مقصودِ حیات ایک ہی تھا اس لیے ان کے عام طرز عمل میں گہری مناسبت کا ہونا لازمی بات ہے، اور ہمارے آپ کے لیے یہ متعین کرنا آسان نہیں کہ کون منافق کس خاص کام کے لیے "مسلمان" بنا تھا۔

قسم دوم

اب ان اعتقادی منافقین کو لیجئے جو اسلام کا لبادہ محض اپنے مادی مفاد کی خاطر اوڑھے ہوئے تھے ان کی نمایاں قسمیں چار تھیں۔

(ا) شوکت اُسلام کے "کلمہ گو"

ایک بڑا گروہ ایک منافقوں کا تھا جنھوں نے اسلام کا نہیں بلکہ شوکت اسلام کا کلمہ پڑھا تھا۔ یعنی جو تھے تو کٹر کافر، مگر چوں کہ بزدل تھے اس لیے اسلام کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور مسلمانوں کی روز افزوں طاقت سے مرعوب ہو کر مجبورا اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن شہادت دے رہا ہے:۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ .

(التوبۃ۔۵٦)

اور یہ (منافق) خدا کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ "یقیناً ہم تم (مسلمانوں) میں سے ہیں (یعنی تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں) حالانکہ یہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ یہ توڈر کے مارے ہوئے لوگ ہیں۔

یعنی جو چیز اندر سے اسلامیت کا اعلان کرا رہی ہے وہ کوئی یقین اور ایمان کا جذبہ نہیں ہے، بلکہ ان کی وہ بزدلی ہے جو انھیں شوکت اسلام سے دہشت زدہ کر رہی ہے اور اس لیے وہ بالکل مجبور ہیں کہ اپنے ایمان کا اور اسلامی ملت سے ہم رشتگی کا جھوٹا مظاہرہ کریں، کیونکہ انھیں خوف ہے کہ اسلام کا یہ امنڈتا ہوا سیل بے پناہ جو تمام منکرین اسلام کو بے دست وپا کیے دے رہا ہے۔ ایک دن انھیں بھی اپنی زد میں لے لے گا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب کبھی انھیں اسلامی اقتدار کی گرفت سے نکلنے کی کوئی صورت نظر آتی، فوراً وہ اسلامیت کا نمائشی جوا بھی اپنی گردن سے اتار پھینکتے۔ چنانچہ مذکورہ بالا آیات کے بعد ہی آتا ہے کہ:۔

لَوْيَجِدُوْنَ مَلْجَأً اَوْمَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلاً لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ.

(التوبہ:۵۷)

(ان بزدل منافقوں کا جو زبان سے آمنا صدقنا چلاتے ہیں حال یہ ہے کہ) اگر کوئی جائے پناہ پا جائیں۔ (چھپ رہنے کے قابل غار یا گھر بیٹھنے کی کوئی اور جگہ انھیں نصیب ہو جائے تو سرکشانہ اس کی طرف دوڑ پڑیں)

معلوم ہوا کہ یہ اسلام جس کا یہ بدکیش منافق اظہار کیا کرتے تھے، غرض اور مجبوری کا اسلام تھا، اعترافِ حق اور شرح صدر کا اسلام ہرگز نہ تھا۔ قرآن حکیم ایک جگہ اور زیادہ کھلے لفظوں میں کہتا ہے:۔

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْآ اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ. (الحجرات : ۱۴)

بدو کہتے ہیں کہ "ہم ایمان لائے" اے پیغمبر! ان سے کہدو کہ تم ایمان نہیں لائے ہو۔ (پس یوں نہیں، بلکہ یوں کہو کہ "ہم مسلمان (یعنی بظاہر مطیع ہو گئے ہیں)

ایمان کا تو ابھی تمہارے دلوں میں گذر تک نہیں ہوا")

غرض ان کے ایمان کی اصل علت ان کی بزدلی تھی۔ دل تو صداقتِ قرآنی کے منکر تھے، لیکن طاقت کے خوف سے زبان اس کی صداقت کا بار بار اقرار کرتی رہتی تھی۔ پر اس "صداقت پسندی" کے عملی مظاہر کب اس راز کو راز رہنے دے سکتے تھے۔ ان کی پوری زندگی کا نقشہ ہی خود اس رازِ دروں کا سب سے بڑا پردہ در تھا۔ ان کے سوچنے کا انداز، ان کی گفتگو کا اسلوب، ان کے کام کا ڈھنگ غرض سبھی کچھ ان کے جھوٹے دعوے کی تکذیب میں مصروفِ شہادت تھا۔ جہاں تک سوچنے کا تعلق ہے ایک مخلص مسلمان کا انداز فکر تو یہ ہوتا ہے کہ وہ ایمان کو دنیا کی سب سے بڑی نعمت سمجھتا ہے اور ان ذرائع کا انتہائی شکر گذار ہوتا ہے جن سے یہ نعمت بے بہا اسے ملتی ہے۔ مگر ان "نمائشی مسلمانوں" کا حال یہ تھا کہ وہ الٹا مسلمانوں ہی پر حتیٰ کہ خود نبی ﷺ تک پر احسان رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم نے مسلمان ہو کر آپ کی جماعت کو تقویت دی ہے اور اس کی تعداد بڑھادی ہے:۔

یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا

منافق تم پر اپنے اسلام لانے کا احسان رکھتے ہیں۔

حالانکہ اگر یہ واقعی مسلمان اور نعمت ایمانی کی قدر شناس ہوتے تو الٹے خود رسولؐ کے احسان مند ہوتے۔

پھر اسی انداز فکر کا نتیجہ تھا کہ مقدم الذکر منافقوں کی طرح یہ لوگ بھی اندر اندر مسلمانوں کے سخت بدخواہ تھے۔ ان کی خوشحالی انھیں کبھی ایک آنکھ نہ بھاتی۔ انھیں مسلسل آگے بڑھتا دیکھ کر ان کے کلیجوں پر سانپ لوٹنے لگتے، اور دن رات اس تمنا میں رہتے کہ کاش انقلابِ روزگار کا کوئی جھونکا آئے اور ان مسلمانوں کو جڑ بنیاد سے اکھاڑ کر پھینک دے تاکہ ہم ان کی قاہرانہ گرفت کے خطرات سے بے خوف ہو کر آزادی کا سانس لے سکیں۔ قرآن میں ان منافقوں کی اس باطنی کیفیت کا کئی جگہ ذکر ہے۔ سورہ توبہ میں ہے:۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَ يَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ○ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ

اِحْدَی الْحُسْنَیَیْنِ الخ (التوبۃ:۵۲-۵۰)

اگر تمہیں کوئی بھلائی نصیب ہوتی ہے تو ان (منافقوں) کو جلن ہوتی ہے اور اگر تم (کبھی) مبتلائے مصیبت ہوتے ہو تو (کوئی جماعتی ہمدردی تو خاک نہیں ہوتی) بلکہ الٹا یہ کہنے لگتے ہیں کہ (اسی خیال سے) ہم نے تو پہلے ہی سے اپنا معاملہ (ٹھیک ٹھاک) کرلیا تھا پھر اٹھتے ہیں اور خوش خوش چلے جاتے ہیں۔ اے پیغمبر! (ان کور بصروں سے) کہہ دو کہ تم ہمارے حق میں دو بھلائیوں ہی میں سے کسی ایک کا انتظار کرتے ہو۔

''دو بھلائیوں ہی میں سے کسی ایک کے انتظار کرنے کا مطلب ان منافقوں کا یہ انتظار تھا کہ دیکھیں مسلمان لڑائیوں میں فتح یاب ہوتے ہیں یا شکست کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ ان منافقوں کو سمجھادو کہ ہمارے لیے تو فتح میں بھی بھلائی ہے اور شکست میں بھی۔ کسی صورت میں بھی ہم فلاح و سعادت سے محروم نہیں ہوسکتے۔ اگر مارے گئے تو شہادت کی ابدی زندگی نصیب ہوگی جو خوش بختی کی آخری معراج ہے۔ اگر مظفر و منصور لوٹے تو غازی اور مجاہد فی سبیل اللہ ہوں گے، جس کے آگے شرف و مجد کا کوئی مقام نہیں، پھر ہمیں غم کاہے کا؟ تم ہمارے حق میں جس چیز کی بھی تمنا رکھو وہی ہمارے لیے باعث سعادت ہے، غم ہو تو تمہیں ہو کہ تمہارے لیے ہر طرف ہلاکت اور بدبختی کی آگ تیار ہے۔ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا۔ (التوبۃ :۵۲)

انتظار کرنے کو تو یہ ارباب نفاق مسلمانوں کے حق میں فتح و شکست دونوں ہی کا کرتے تھے کہ دیکھیں ان کا انجام کیا ہوتا ہے۔ لیکن کفر کا ظاہری کر و فر دیکھ کر انھیں گمان غالب یہی ہوتا تھا کہ مسلمان ہی لڑائی میں ہاریں گے اور اسی خوف سے کہ مبادا اس ہار کے تلخ نتائج ہمیں بھی بھگتنے پڑیں،'' وہ جہاد کی منادی سن کر مختلف حیلوں بہانوں سے گھر بیٹھ رہتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

سَيَقُوْلُ لَكَ الْمُخَلَّفُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ شَغَلَتْنَآ اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ...... بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا. (الفتح: ۱۲-۱۱)

اے پیغمبر! (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ جانے والے بدوی (اب جب کہ تم زندہ

وسلامت واپس آگئے ہو) تم سے کہیں گے کہ (افسوس ہم بوجہ مجبوری نہ جاسکے) ہمیں ہمارے اموال اور ہمارے اہل وعیال نے پھنسار کھا تھا سو ہمارے لیے خدا کے حضور میں مغفرت کی دعا فرمائیے۔ یہ لوگ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو دراصل ان کے دلوں میں نہیں ہیں (ان نابکاروں سے) کہہ دو کہ (غلط کہتے ہو) بلکہ (تم مارے ڈر کے پیچھے رہے) تمہارا گمان تھا کہ پیغمبر اور مسلمان (اس لڑائی میں ہلاک ہو جائیں گے اور) اپنے اہل وعیال میں کبھی لوٹ کر نہیں آنے کے۔

قرآن کی دیگر تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے متعلق وہ اس کا صرف گمانِ غالب ہی نہیں رکھتے تھے بلکہ دل میں دعائیں بھی کرتے رہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ میدان جنگ میں کھیت ہو رہیں اور ہمارے سر سے بلا ٹلے۔ سورہ توبہ میں ہے :

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ

(التوبة : ۹۸)

اور اکثر دیہاتی ایسے ہیں جو (اگرچہ زبان سے بظاہر ایمان لا چکے ہیں لیکن) راہ خدا میں خرچ کرنے کو مفت کا تاوان سمجھتے ہیں اور تم مسلمانوں کے حق میں آسمانی گردشوں کے منتظر ہیں۔

انھیں اپنی اس آرزو کے پوری ہونے کی کتنی فکر تھی؟ اور اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ وہ نصرتِ ملّی سے صرف اپنا ہی ہاتھ روکنے پر اکتفاء نہیں کرتے تھے بلکہ دوسروں کو بھی روکتے تھے تاکہ امداد کے تمام دروازے بند ہو جائیں اور مسلمانوں کو ہر طرح سے کمزور اور بے یار ومددگار کر دیا جائے:۔

هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا .

(المنافقون: ۷)

”یہی لوگ (یعنی یہی منافق) تو ہیں جو لوگوں سے کہا کرتے ہیں کہ رسول خدا کے ساتھیوں پر کچھ مت خرچ کرو یہاں تک کہ (آخر کار اس طرح افلاس سے تنگ ہو کر وہ خود ہی) ادھر اُدھر منتشر ہو جائیں۔“

اسی طرح اسلام کی خاطر جانی قربانیاں دینے سے بھی یہ لوگوں کو باز رکھنے کی کوشش کرتے بلکہ بعض اوقات تو اس غرض کے لیے انتہائی خطرناک نفسیاتی چالیں چلتے۔ یعنی شروع میں

مسلمانوں کے ساتھ مل کر میدان جہاد میں جاتے اور جب جنگ کی آگ بھڑک اٹھتی تو آہستہ سے خود بھی پیچھے کھسک جاتے اور دوسروں کو بھی بھاگ کھڑے ہونے کی ترغیب دیتے، تاکہ مسلمانوں کی ہمتیں چھوٹ جائیں اور دشمن کے حوصلے بڑھا کر انھیں فنا کے گھاٹ اتار دیں۔ غزوہ احد، غزوہ احزاب، غزوہ تبوک وغیرہ میں اس شیطنت کا پورا پورا مظاہرہ ہوا تھا۔ تبوک کے سلسلہ میں قرآن کہتا ہے کہ :

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْآ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لاَ تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ. الخ

(التوبہ:۸۱)

جو لوگ (اپنے اصرار پر لڑائی سے) پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے وہ رسول اللہ کی مرضی کے خلاف لڑائی سے بیٹھ رہنے پر بہت خوش ہوئے اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور اپنی جان کے ساتھ جہاد کرنے کو انھوں نے گراں محسوس کیا اور دوسروں سے بھی کہنے لگے کہ (ایسی بے پناہ گرمی میں) گھر سے نہ نکلنا۔

(۲) دو رخے منافق :

مفاد پرست عناصر کا دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو اگر اسلام کے اظہار میں جھوٹے تھے تو کفر سے بھی انہیں اخلاص نہ تھا۔ بلکہ "نجیب الطرفین" منافق تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا سو فیصدی معبود ان کا دنیوی مفاد تھا۔ بخلاف پہلے گروہ کے، کہ مفاد پرست اگرچہ وہ بھی تھا مگر اتنا نہیں کہ اپنے مفاد کے لیے وہ اپنی قوم اور اپنے مذہب کے مفاد کو سرے سے خاطر ہی میں نہ لائے بلکہ اس کو اپنے قومی اور مذہبی مفاد سے بھی گہری وابستگی تھی، اور اس کی خدمت و بہی خواہی کے کسی موقعے کو وہ ہاتھ سے نہیں دیتا تھا۔ اس کا مطمح نظر صرف یہ تھا کہ اسلامی اقتدار سے اپنے مفاد کو بچالے جائے۔ مگر یہ دوسرا گروہ مفاد پرستی کی اس درمیانی منزل سے بہت آگے بلکہ اس کی آخری منزل پر تھا۔ اسے اول و آخر بس اپنے مفاد کی فکر تھی، وہ ہر اس تعلق سے دور رہتا جو اس کے لیے کوئی جانی یا مالی خطرہ پیدا کرنے والا ہو۔ خواہ وہ تعلق حق کا ہو یا باطل کا۔ یہ ابن الوقت اور موقع پرست

لوگوں کا گروہ تھا۔ جن کو حق اور باطل کے جھگڑے سے کوئی دل چسپی نہیں تھی بلکہ جو کچھ غم تھا صرف اپنے شخصی مفاد کا تھا جس کی خاطر وہ مسلمانوں سے بھی ملے رہنا چاہتے تھے اور کفار سے بھی۔ تاکہ معرکۂ کفر و اسلام میں واقعات کا اونٹ جس کروٹ بیٹھے اس کروٹ یہ بھی بہ آسانی کھڑے ہوئے نظر آسکیں۔ اور جب تک یہ معرکہ جاری رہے دونوں فریق سے امن میں رہیں۔ یہی لوگ تھے جن کا یہ آیت تعارف کرا رہی ہے:۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ. (النساء:۹۱)

کچھ اور لوگ تمہیں ایسے بھی ملیں گے جو چاہتے ہیں کہ تمھاری طرف سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی۔

یہ لوگ اپنی دورخی پالیسی کو کس طرح نبھاتے ہیں اس کا حال بھی سنیئے:۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ○ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا. وَمَايَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَاتُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ. قَالُوْآ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ○ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّايَشْعُرُوْنَ○ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْآ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ط اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّايَعْلَمُوْنَ ○ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْآ اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ. قَالُوْآ اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ.

(البقرۃ: ۱۴۔۱۱۔۹۔۸)

اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو زبان سے تو کہتے ہیں کہ "ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے" حالانکہ وہ دل سے مومن نہیں (محض بر بنائے مصلحت یہ کہہ کر) وہ اللہ کو اور ایمان لانے والوں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں، حالانکہ فی الواقع وہ اس طرح خود اپنے ہی کو دھوکا دے رہے ہیں جس کا انھیں شعور نہیں، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ (اسلام کی مکمل پیروی کرو اور) زمین میں فساد نہ برپا کرو" تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کے علم بردار ہیں۔ یاد رکھو! یہی لوگ حقیقی مفسد ہیں جو یک طرفہ صاف راہ نہیں اختیار کرتے، لیکن وہ اس حقیقت کو سمجھتے نہیں اور جب ان

سے کہا جاتا ہے کہ (اس دورنگی کو چھوڑ کر) اسی طرح ایمان لاؤ جس طرح کہ اور مسلمان ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم بھی اس طرح کے مومن بن جائیں جس طرح کے مومن یہ بے وقوف لوگ بنے ہیں؟ لیکن یاد رکھو! واقعی بے وقوف یہی لوگ ہیں مگر وہ اس راز کو بوجھتے نہیں اور جب مسلمانوں سے یہ لوگ ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی مومن ہیں اور جب تنہائی میں اپنے شیطانوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو یوں ہی مسلمانوں سے مذاق کرتے ہیں (اور انھیں بے وقوف بناتے ہیں)۔

یہ جملے ان کے مصلحت پرستانہ اندازِ فکر کی پوری پوری وضاحت پیش کیے دیتے ہیں، خصوصاً یہ جملہ کہ "مگر وہ اس راز کو بوجھتے نہیں" ان کی منافقانہ روش کے خصوصی انداز پر ایک جامع تبصرہ ہے۔ یہ جملہ بتاتا ہے کہ وہ اپنی روش کو واقعی معنوں میں بڑی دانشمندانہ روش سمجھتے تھے، وہ اسے "صلح کل" کی پالیسی خیال کرتے تھے جس میں کسی فریق سے بھی الجھنے کا اندیشہ نہ تھا بلکہ ہر ایک سے نباہ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب وہ اپنے "شیطانوں" یعنی اپنی کافر قوم کے لیڈروں سے ملتے تو ان کی طرف سے ان پر اظہار ناراضگی ہوتا کہ تم مسلمان ہوئے جا رہے ہو! جس کی صفائی میں انھیں حقیقت حال آشکارا کرنی ہوتی اور "اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُ وْنَ" کہہ کر اس فریق کو بھی مطمئن کرنا پڑتا۔

اب باقی جملوں کو بھی لے کر پوری عبارت پر غور کیجیے اور دیکھیے کہ یہ لوگ خدا کے قانون کی پیروی اور رسول کی کامل اطاعت کو کس طرح فساد اور نقص امن کا سبب سمجھتے تھے۔ قرآنی اوامر و نواہی پر خلوص دل کے ساتھ عمل کرنے کو "بے وقوفی" سے تعبیر کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ کیسے احمق اور ناعاقبت اندیش لوگ ہیں جو کھلم کھلا قرآن کی غیر مشروط اطاعت تسلیم کر کے عرب و عجم کی دشمنی مول لیتے اور اپنے عیش و آرام کو برباد کرتے ہیں۔ مصلحتِ وقت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہر فریق سے نباہتے چلو، ہر ایک سے اپنا مقصد حاصل کرو۔ اگر کفار شکست کھائیں تو مسلمانوں سے دوستی قائم رکھنے کا صلہ ملے گا۔ گیہوں کے ساتھ گھن نہ پسے گا اور اگر اہل کفر فتحیاب ہوئے تو ان میں شامل رہنے کا فائدہ حاصل ہوگا۔ یعنی کسی بھی فریق کو جو دنیوی فوائد حاصل ہوں گے، ان میں بہر حال حصہ بنانے کا موقع ملے گا اور یہ دوہرا نفع حاصل بھی اس طرح ہوگا کہ نہ اپنا ایک حبہ خرچ کرنا

پڑے گا اور نہ اپنے پسینے کا ایک قطرہ بہانا پڑے گا۔ دیکھو ہمارا طریقہ کس قدر مصالحانہ اور امن آفریں ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ مذہب مذہب میں تفریق کیوں ہو؟ ہر مذہب تو خدا ہی سے ملاتا ہے۔ پھر ایک کو دوسرے پر فضیلت کی کیا وجہ؟ امن اور اصلاح کا راز اسی میں ہے کہ ہر ایک کو برحق قرار دو، اور اس حق و باطل کے جھگڑے میں کسی کے ساتھ شریک نہ ہو۔ بے وقوف ہیں وہ جو اس معاملہ میں تنگ نظری اور انتہاپسندی سے کام لیتے ہیں۔ حقیقت میں یہ بڑی افراتفری کی راہ ہے، فساد اور چپقلش کی بس بھری گانٹھ ہے۔

آگے چل کر اسی سلسلہ میں قرآن مجید ان لوگوں کی عملی حالت کو ایک تمثیل کے پیرائے میں یوں بیان کرتا ہے:۔

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمَاتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ يَّجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ. وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ○ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ. وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا. (البقرة: ۲۰)

یا ان منافقوں کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگ بارش میں گھر گئے ہوں جس میں تاریکیاں ہوں، کڑک ہو، چمک ہو، کڑک ایسی سخت کہ موت کے ڈر سے کانوں میں انگلیاں دے لیتے ہوں حالانکہ اللہ نے تو ان کافروں کو چاروں طرف سے گھیر ہی رکھا ہے بجلی کی چمک ان کی بینائی اچکے لے رہی ہے جب ان کے سامنے یہ چمکتی ہے تو اس کی روشنی میں (دو قدم) چل لیتے ہیں اور جب ان پر تاریکی چھا جاتی ہے تو ٹھٹک کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔

پچھلی تفصیل میں ان منافقین کی تصویرِ باطنی کے جو گوشے کسی قدر تاریکی میں رہ گئے تھے اس تمثیل نے ان سب کو روشنی میں کر دیا ہے کیونکہ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ اپنی اس دورنگی کو نباہتے کس طرح تھے؟ اور "مسلمانیت" کے ظاہری دعوی کا حق کس حد تک ادا کرتے تھے قرآن پر ان کا اعتقاد تو تھا نہیں، محض اپنے دنیوی مفاد اور مقاصد کی خاطر زبان سے اپنے ایمان کی منادی کرتے پھرتے تھے۔ اس لیے جہاں تک قرآن کے ہلکے، آسان اور بے ضرر احکام کا تعلق تھا ان پر بڑی مستعدی اور تندہی سے عمل کر کے اپنی اپنی اسلامیت کا اظہار کرتے لیکن جب سخت احکام کی

باری آتی، جب عیش و آرام اور لذات دنیوی کی قربانی کا مطالبہ ہوتا تو یکایک سارا جوشِ ایمانی سرد پڑ جاتا۔ دہشت اور حیرانی کی تاریکیوں میں گھر جاتے اور موت کی سی غشی طاری ہونے لگتی۔ رب العالمین کے احکام جو دوسروں کے حق میں بارانِ رحمت تھے وہ ان بد نصیبوں کے حق میں بجلی کے جاں ستاں کڑکے بن گئے تھے، کہ سنتے اور موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے۔ گویا ان منافقین کا مرکزی وصف یہ تھا کہ احکام کی تعمیل ان پر سخت شاق گذرتی تھی اور خدا کی شریعت ان کے لیے رحمت و نعمت ہونے کے بجائے الٹی مصیبت اور زحمت بن گئی تھی۔ انھوں نے اپنے مادی مفاد کی حفاظت ہی کے لیے تو یہ "دانش مندانہ" دورخی پالیسی اختیار کی تھی۔ اب اگر اسلامی احکام اسی مفاد کو قربان کر دینے کے مطالبہ کریں تو اس مطالبے کا تسلیم کرنا کیونکر ممکن تھا!

جہاد کا میدان قوتِ ایمانی کی سب سے کڑی آزمائش گاہ ہے، جہاں منافق کے لیے اپنے باطن کا چھپانا یکسر ناممکن ہو جاتا ہے۔ منافقین کا یہ گروہ دوسرے منافقوں کے مقابلہ میں اس مواقع پر اپنے آپ کو چھپانے میں کچھ نہ کچھ ضرور کامیاب ہو جایا کرتا تھا لیکن جب خدائی احکام ان کی جانوں کا مطالبہ کرتے تو وہ وقت اس کے لیے بڑا سخت ہوتا۔ جس جان و مال کے عشق میں اس نے دین اور حق اور اپنے ضمیر کو بیچا تھا اگر اسی کی نذر مانگی جائے تو وہ اس کو کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ یہاں پہنچ کر ان دانشمندوں کے بھی ادعائے ایمان کا راز فاش ہو کر ہی رہتا۔ یہ لوگ اپنی باطنی حالت کو چھپانے کے لیے ہزار جتن کرتے مگر دلوں کا بھید جاننے والا خدا بار بار جنگ کا حکم دے کر حتی کہ بعض اوقات مسلمانوں کی جماعت کو ہنگامی شکستیں کھلا کر بھی ایسے تمام فریب کاروں کی اصل تصویر کو بالکل عریاں کر دینے اور انھیں مسلمانوں سے الگ نمایاں کر دینے پر تلا ہوا تھا چنانچہ جب کبھی حکم قتال نازل ہوتا یہ منافق کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ضرور ہی اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے۔ اور جب مسلمان لڑ کر واپس آتے تو یہ لوگ اپنی عدم شرکت کے لیے معذرتیں پیش کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے اخلاص باطن کا یقین دلانے کی کوشش کرتے۔ غزوۂ احد کے سلسلے میں ان عیاروں اور دنیا کے پرستاروں نے منافقت کا جو پارٹ ادا کیا قرآن اس کا تذکرہ ان لفظوں میں کرتا ہے:

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝

وَ لِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا قَالُوْا لَوْنَعْلَمُ قِتَالاً لاَّ تَّبَعْنَا كُمْ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ○ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا.

(آل عمران :۱۶۶۔۱۶۸)

دونوں جماعتوں کی (یعنی مسلمانوں اور کافروں کی) مڈبھیڑ کے دن (میدان احد میں) تمہیں جو کچھ ہزیمت اٹھانی پڑی وہ اللہ کے حکم کے مطابق تھی اور اس غرض سے تھی کہ ہم تمہیں آزمائیں اور معلوم کرلیں (یعنی دنیا پر ظاہر کردیں) کہ کون سے لوگ (واقعی) مومن ہیں اور کون سے ایسے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے۔ (چنانچہ اس دن) منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا (کم از کم دشمنوں سے) مدافعت ہی کرو (تو یہ سن کر کہنے لگے) کہا اگر ہم سمجھتے کہ آج لڑائی ہوگی تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے "یہ لوگ اس وقت ایمان کی نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے سینوں کے بھید خوب جانتا ہے (یہی وہ لوگ ہیں جو خود بیٹھے رہے اور اب میدان جہاد میں شہید ہو جانے والوں کی نسبت کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔)

دیکھا آپ نے نفاق حیلہ تراشی میں کتنا دیدہ دلیر ہوتا ہے؟ دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ سامنے خیمہ ڈالے پڑا ہے، اور ادھر سے جواب دیا جاتا ہے کہ لڑائی بھڑائی تو ہونے سے رہی اس لیے ہم خواہ مخواہ دوڑ بھاگ کیوں کریں؟ اور جب اللہ کے مخلص جاں نثار اپنا فرض ادا کر کے شہید ہوگئے تو ہمدردانہ فرمایا جاتا ہے کہ اگر ہماری تدبیر پر عمل کرتے تو کیوں دنیا کی لذتوں سے ہاتھ دھوئے؟ گویا خود تو خود، دوسرے انسانوں کے متعلق بھی یہ بندگان نفس یہ تصور کرنے سے قاصر تھے کہ حق اور ایمان کی خاطر دنیائے دنی کو قربان کردینا ہی دانائی کا کام اور فائدے کی بات ہے۔

ان سے اسی بزدلانہ اور مادہ پرستانہ نقطہ نگاہ کا نتیجہ تھا کہ جب سچے مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں دشمن کی کثرت اور اپنی قلت تعداد کا لحاظ کیے بغیر، رسول کی دعوت جہاد پر آحاضر ہوتے تو یہ لوگ ان کی "کوتہ اندیشی" کا ماتم کرتے اور کہتے کہ انھیں ان کے دین نے دھوکے میں

ڈال دیا ہے "غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ (الانفال:۴۹) ان پر عقیدت کا جن سوار ہے۔ یہ مذہبی مجنوں ہیں، جو کچھ نہیں دیکھتے کہ انجام کیا ہو گا۔ گویا ان کے خیال میں اگر اس دنیا کے اندر کوئی راہ اختیار کرنے کی ہے تو صرف اس لیے کہ وہ مادی منفعتیں بخشتی ہے اور اگر کوئی راہ چھوڑ دینے کی ہے تو محض اس لیے کہ اس میں جان و مال کا زیاں ہے۔ اسی ذہنیت کی ایک اور تصویر ملاحظہ ہو:۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ۝ وَ لَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا.

(النساء: ۷۳-۷۲)

اور بالیقین تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو (جہاد کی منادی سن کر) ضرور بیٹھ رہیں گے اگر تم وہاں کسی مصیبت میں پھنس گئے تو کہیں گے کہ خدا نے ہم پر بڑا ہی کرم کیا کہ ہم ان (مسلمانوں) کے ہمراہ نہ تھے (ورنہ ہم بھی پس گئے ہوتے اور اگر تمہیں خدا کی طرف سے کوئی فضل حاصل ہوا تو (ان کا دل دکھ جائے گا) اور کہیں گے اس انداز میں کہ گویا تمہارے اور ان کے درمیان کبھی کوئی یگانگی تھی ہی نہیں کہ اے کاش! ہم بھی ان (مسلمانوں) کے ساتھ ہوتے کہ بہت کچھ کامیابی حاصل کر لیتے (یعنی ہمیں بھی مال غنیمت ملتا)

جیسا کہ تمثیل بالا میں ذکر ہو چکا ہے یہ ابن الوقت اس وقت تو سراپا ایمان بن جاتے ہیں۔ جب احکام ہلکے اور بے ضرر ہوتے ہیں خصوصاً اس وقت جب ہاتھ سے کچھ کھونے کے بجائے کچھ حاصل ہونے کی توقع ہوتی۔ لیکن جہاں سخت احکام آتے اور ان کے دنیوی مفاد کو خطرہ لاحق ہوتا تو صاف کترا جاتے۔ ان کو اس سے بحث نہیں تھی کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا برسرحق ہے یا طاغوت کی راہ میں لڑنے والا۔ انھیں اس امر کا احساس تک نہ تھا کہ ظلم اور فساد کی بیخ کنی کرنا اور خدا کی زمین میں عدل و صلاح کی تخم ریزی کرنا بھی کوئی انسانی فریضہ ہے۔ وہ معاملات کو اس نقطہ نظر سے دیکھتے ہی نہ تھے ان کی شریعت کا فتویٰ یہ تھا کہ لڑائی اس حیثیت سے تم پر فرض ہے کہ اس میں مال غنیمت ہاتھ آتا ہے، لیکن اس پہلو سے قطعاً حرام ہے کہ اس میں جان دینی پڑتی ہے۔ یہی بات مذکورہ بالا آیات میں بیان ہوئی ہے اور اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے:۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا تَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ

الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ (التوبة :۴۲)

"اگر فوری فائدہ ہوتا اور سفر بھی (دور دراز اور صبر آزما ہونے کے بجائے) متوسط قسم کا ہوتا تو یہ منافق ضرور تمہارا ساتھ دیتے لیکن اس وقت (تبوک کی) مسافت انہیں بہت طویل اور دشوار معلوم ہوئی۔ (اس لیے وہ چپ سادھ کر بیٹھ رہے) اور (جب تم لوٹنے کے بعد اس کی وجہ پوچھو گے تو) قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے لیے ممکن ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوئے ہوتے"۔

مسلمانوں کے ساتھ اور احکام قرآنی کے ساتھ ان کے نفاق کا عالم تو یہ تھا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے کہ کفار خصوصاً ائمہ کفر کا ان کی نگاہ میں کیا مقام تھا اور ان کے ساتھ ان کی منافقانہ پالیسی کا کیا حال تھا؟ تو جہاں تک ان اعداء اسلام سے عام تعلق کا سوال ہے، وہ قریب قریب ایسا ہی تھا جیسا کہ مسلمانوں سے تھا وہ جس طرح مسلمانوں کے مادی اقتدار کو اہمیت دیتے تھے اسی طرح ان کے مخالفین کے سامنے بھی سر نیاز خم کرنا ضروری سمجھتے تھے اور ان کی بارگاہ میں رسوخ کے جویا تھے جس کے نتیجے میں ان کے متعلق پیغمبر کو حکم ہوا کہ:۔

بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۝ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ .

(النساء: ۱۳۸۔۱۳۹)

اے پیغمبر! ان منافقوں کو بشارت سنا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے، یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ کافروں کے ہاں عزت چاہتے ہیں؟

دوسری جگہ آتا ہے کہ مومن کی شان یہ نہیں ہے کہ وہ یہود و نصاری وغیرہ معاندین حق سے کسی طرح کا قلبی ربط و ضبط رکھے۔ لیکن یہ منافق کیا کرتے ہیں؟

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ (المائدۃ: ۵۲)

سو تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے کفار کے یہاں بڑی آمد و رفت رکھتے ہیں۔

اب رہا ان کی اس منافقانہ پالیسی کا حال جو وہ مخالفین اسلام کے ساتھ اختیار کئے ہوئے تھے، تو اس کی مجمل نشاندہی قرآن کے ان الفاظ سے ہوتی ہے:۔

قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ.

(محمد:۲۶)

جو لوگ خدا کے نازل کئے ہوئے (قرآن) کو ناپسند کرتے ہیں (مثلاً یہود) یہ منافق ان سے کہتے ہیں کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا ہی کہا مانیں گے۔

اس اجمال کی وضاحت ذیل کے الفاظ میں ہے:۔

يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ.

(الحشر:۱۱)

یہ منافق اپنے بھائیوں یعنی منکر اسلام اہل کتاب سے کہتے ہیں کہ اگر تم (مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے وطن سے) نکالے گئے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے اور تمہارے سلسلے میں کسی کا کہانہ مانیں گے اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم (مسلمانوں کے خلاف) ضرور تمہاری مدد کریں گے۔

یہ تو مخالفین اسلام کے ساتھ ان کا "قول" تھا اب اس قول کی فعلی حقیقت بھی قرآن ہی کی زبان سے سینے:

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ٥ لَئِنْ اُخْرِجُوْا لَا يَخْرُجُوْنَ مَعَهُمْ وَ لَئِنْ قُوْتِلُوْا لَا يَنْصُرُوْنَهُمْ وَلَئِنْ نَّصَرُوْهُمْ لَيُوَلُّنَّ الْاَدْبَارَ (الحشر:۱۱۔۱۲)

اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق بالکل جھوٹے ہیں۔ اگر اہل کتاب جلاوطن کئے گئے تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے جنگ ہوئی تو یہ (جھوٹے مدعی) ان کی مدد نہ کریں گے اور (بالفرض) اگر مدد کے لیے آئیں گے بھی تو (جم کر نہ لڑ سکیں گے۔ اور موت کی صورت دیکھ کر) بھاگ کھڑے ہوں گے۔

غرض جو سلوک ان کا اہل ایمان کے ساتھ تھا بعینہ وہی اہل کفر کے ساتھ بھی تھا۔ یہ دراصل نہ اِن کے دوست تھے نہ اُن کے، بلکہ صرف اپنے نفس کے دوست تھے، اور اس کی خاطر

مسلم و کافر دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے تاکہ موقعے پر ہر ایک سے حقِ دوستی حاصل کریں۔ اور جب کچھ نقصان اٹھانے کا موقع ہو تو اس سے پوری طرح محفوظ رہیں:۔

اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ . (النساء : ۱۴۱۔۱۴۳)

یہ منافق تمہارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں اگر تم (مسلمان) بحکمِ خداوندی جیت گئے تو تم سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ لاؤ ہمیں بھی مال غنیمت دو" اور اگر کافروں کو فتح نصیب ہوئی تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تم پر غالب نہ ہوگئے تھے، لیکن پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں کے ہاتھ سے نہیں بچایا؟ (پس جو کچھ لڑائی میں ملا ہے ہمارا حصہ بھی لگاؤ) درمیان ہی میں متردد کھڑے ہیں نہ تو ان کی طرف ہیں نہ ان کی۔

اور فی الحقیقت یہی دورنگی کا کمال بھی ہے، اس کمال میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ دورخی پالیسی کا نباہنا بہت کچھ طلاقتِ لسانی پر موقوف ہوتا ہے، قرآن کہتا ہے کہ وہ اس فن کے بڑے ماہر ہیں:۔

وَ اِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ.

(المنفقون: ۴)

اور جب تم انہیں دیکھتے ہو تو ان کے اجسام تمہارے نگاہوں میں کھب جاتے ہیں اور اگر وہ تم سے بات کریں تو بس ان کی باتیں سنتے ہی رہو۔

۳۔ حقوقِ مسلمین کے شکاری :

مفاد پرستوں میں تیسرا گروہ ان منافقوں کا تھا جو اگرچہ ایمان کی رمق سے بھی ناآشنا تھا۔ مگر مسلمان ہونے کے جو مادّی فوائد حاصل ہو رہے تھے، انھوں نے انہیں "الا اللہ" کا نعرہ لگانے کے لیے بے قرار کر دیا تھا۔ گویا مفاد دنیوی کی پرستاری میں تو وہ پہلے دونوں گروہوں کا ہی ہم مشرب تھا۔ مگر فرق یہ تھا کہ ان کی مفاد پرستی منفی نوعیت کی تھی اور اس گروہ کی مثبت نوعیت کی

تھی۔ انھیں مسلمان بن کر کفر واسلام کی کش مکش سے اپنے کچھ مفادات بچانے تھے، اور اسے اسلام کا بہروپ بھر کر کچھ مفاد حاصل کرنے تھے۔ یعنی اس کے نفاق کا اصل محرک ان اموال غنیمت میں حصہ دار بننے کا لالچ تھا جو اسلام کی بڑھتی ہوئی فتوحات میں مسلمانوں کے ہاتھ آرہے تھے۔[۱] اس طرح "باحوصلہ" اور "باحیا" ہونے میں وہ قدرتی طور پر اپنے ان ساتھیوں سے کہیں آگے تھا۔

اگر وہ دعوت جہاد سن کر حیلوں بہانوں کی تلاش میں لگ جاتے تو اس بہادر گروہ کو یہ سکون بھی میسر نہ ہو تا کہ اطمینان سے بیٹھ کر کوئی عذر تصنیف کرلے۔ منادی کی پکار سنتے ہی اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے اور خود تو خود دوسروں کو بھی نصیحت فرماتا کہ بھاگ آؤ اور گھروں میں چھپ جاؤ۔ البتہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت وہ سب سے پیش پیش ہوتا۔ اس کی بے مثال بزدلی اور دولت پرستی کا اندازہ قرآن کے اس تبصرے سے کیجیئے:۔

> قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِيْنَ مِنْكُمْ وَالْقَآئِلِيْنَ لِاِخْوَانِهِمْ هَلُمَّ اِلَيْنَا وَلاَ يَاْتُوْنَ الْبَاْسَ اِلاَّ قَلِيْلاً ۝ اَشِحَّةً عَلَيْكُمْ فَاِذَا جَآءَ الْخَوْفُ رَاَيْتَهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ تَدُوْرُ اَعْيُنُهُمْ كَالَّذِيْ يُغْشٰى عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ فَاِذَا ذَهَبَ الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ.....
> يَحْسَبُوْنَ الْاَحْزَابَ لَمْ يَذْهَبُوْا وَ اِنْ يَّأْتِ الْاَحْزَابُ يَوَدُّوْا لَوْ اَنَّهُمْ بَادُوْنَ فِي الْاَعْرَابِ يَسْاَلُوْنَ عَنْ اَنْبَآءِكُمْ. (الاحزاب:۲۰۔۱۸)
>
> اللہ تعالیٰ تم میں سے ان منافقوں کو خوب جانتا ہے جو لوگوں کو لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ (کہاں جان دینے جاتے ہو) ہماری طرف آؤ اور وہ (خود بھی) لڑائی میں نہیں جاتے، مگر تھوڑی دیر کے لیے (تاکہ نام ہو جائے) اور جاتے ہوئے (تمہارے زندہ وباقی رہنے کے) بڑے خواہشمند ہوتے ہیں (کیونکہ جنگی خطرات کے سامنے اس طرح تم ان کے لیے

---

[۱] قدرتاً منافقوں کا یہ گروہ اس وقت پیدا ہوا ہو گا جب مسلمان ہونے کے معنی صرف مفاد کی قربانیوں کے نہ تھے بلکہ مال غنیمت پانے کے بھی تھے۔

ایک ڈھال بنے ہو گے) جب خطرہ کا موقع آتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ وہ تمہای
طرف اس طرح ناچتی ہوئی نگاہوں سے تکتے ہیں کہ جیسے کسی پر موت کی غشی
طاری ہو۔ پھر جب خطرہ کی گھڑی گذر جاتی ہے تو وہ مال غنیمت کے حریص بن کر
تمہیں اپنی طرّارزبانوں سے کچو کے لگانے لگتے ہیں (جلدی سے ہمارا حصہ لگاؤ)
اگرچہ دشمن بھاگ چکا ہے لیکن اب تک یہ بزدل یہی خیال کرتے ہیں کہ اس کی
فوجیں ابھی نہیں گئیں اور اگر یہ فوجیں پھر آموجود ہوں تو (پھر ان پر وہی
دہشت طاری ہونے لگے اور) تمنا کریں کہ اے کاش ہم (موقع جنگ سے دور)
کہیں دیہات میں ہوتے اور وہیں سے بیٹھے تمہاری خبریں معلوم کیا کرتے۔

معلوم ہوا کہ ان کا سارا ''اسلام اور ایمان'' محض مال وزر تھا اور اسی غرض سے وہ ''مسلمان'' ہوئے تھے۔ ہر اس چیز میں سے ان کو حصہ ملنا چاہیے جو مسلمانوں میں تقسیم ہونے کے لیے ہو۔ خواہ وہ مال غنیمت ہو خواہ صدقہ، کیونکہ وہ بھی ''مسلمان'' ہیں۔ بلکہ اسی لیے تو مسلمان بنے ہیں۔ اب اگر کسی موقع پر ان کا حصہ نہ لگے تو یہ صدمہ ان کے برداشت کرنے کا کیسے ہو سکتا ہے اور وہ اس وقت اللہ اور اس کے رسول سے بھی برافروختہ کیوں نہ ہو جائیں۔ چنانچہ وہ ایسے موقعوں پر برافروختہ ہوئے اور خوب ہوئے:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ
يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَاهُمْ يَسْخَطُوْنَ . (التوبة: ۵۸)

اور ان منافقین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں تم پر
(ناانصافی اور جانبداری کے) اشارے کرتے ہیں اگر ان میں سے (حسب خواہش)
انھیں دیا جائے تو خوش رہتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوا تو بگڑ بیٹھتے ہیں۔

اس زر پرستانہ ''اسلامیت'' کا قدرتی نتیجہ تھا کہ جب مسلح دشمنوں کا سامنا ہوتا تو یہ اپنی خلوت گاہوں میں جا چھپتے اور جب لڑائی کی مشقتیں محض غنائم حاصل کرنے ہی تک محدود رہتیں تو یہ شیر بن کر گرجتے ہوئے گھروں سے نکل آتے۔ بلکہ سب سے آگے رہنے کی کوشش کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سیاست کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ کیونکہ اموال غنیمت ان لوگوں کا حق ہیں جو واقعی مجاہد ہوں، یعنی جو پہلے اللہ کے دین کی خاطر خود اپنا مال قربان کر چکے ہوں۔ اور اپنی نقد جان

نثار کرنے کے لیے پیش کر چکے ہوں۔ اور یہ لوگ چونکہ اپنے اعمال نامے میں اس طرح کی کوئی شہادت نہیں رکھتے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے مواقع پر ان کے بارے میں صاف حکم دیدیا کہ ایسے بے ایمانوں کو ہرگز ساتھ نہ لے جاؤ جو کل مصیبت کی گھڑیوں میں عافیت کے گوشوں کے اندر چھپے بیٹھے تھے اور اب ایمان کی تلوار بنے میدان جنگ کے لیے بے چین ہو رہے ہیں۔ محض اس خیال سے کہ اس وقت ہاتھ سے دینا کچھ نہیں ہے، جو کچھ ہے لینا ہی ہے۔ چنانچہ سفر حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے متعلق غزوۂ خیبر کے قریب وحی الٰہی آتی ہے کہ:۔

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللّٰهِ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ

(الفتح: ۱۵)

جو لوگ (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے جب تم (خیبر کی) غنائم حاصل کرنے جاؤ گے تو وہ تم سے کہیں گے کہ "ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو" وہ چاہیں گے کہ حکم الٰہی کو بدل دیں۔ سوائے پیغمبر! ان سے صاف صاف کہہ دینا کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلنے پاؤ گے۔ اللہ کا یہ پہلے ہی سے فیصلہ ہے۔

لیکن ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کی زر پرست طبیعت پر کس قدر شاق تھی! وہ ایسے تر لقمہ کو منہ سے چھنتے ہوئے دیکھ کر بھلا کیونکر صبر کر سکتے تھے! چنانچہ قبل اس کے کہ عملاً یہ معاملہ در پیش ہو۔ اللہ عالم الغیب نے خود ہی کھول کر بتا دیا کہ اس وقت یہ لوگ کیا کہیں گے:۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا (الفتح: ۱۵)

(یہ سن کر) یہ منافق کہیں گے (کہ خدا کا حکم تو خاک نہیں ہے) البتہ تم لوگ حسد رکھتے ہو (کہ جائیں گے تو ہم بھی مال و زر حاصل کر لیں گے)۔

غور فرمائیے کہ گھوم پھر کر ہر بار ان کی نگاہ کس طرح اپنے اسی واحد نصب العین پر جا کر جمتی ہے۔ شکایت یہ نہیں ہے کہ تم ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب سے روک رہے ہو، بلکہ یہ ہے کہ مال و متاع دنیا کی تحصیل میں ہمارے مزاحم کیوں ہو رہے ہو؟ اور جب ان کا نقطہ نظر یہ تھا تو وہ کیسے سمجھ سکتے تھے کہ سفر جہاد میں ہمارے شریک نہ کئے جانے کی وجہ اس کے سوا کوئی دوسری بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمان ہم سے حسد رکھتے ہیں۔

۴۔ جھوٹی مدح وشہرت کے حریص :

مفاد پرست اعتقادی منافقوں کا چوتھا عنصر ان لوگوں پر مشتمل تھا جو مفت کی شہرت اور تعریف کے لالچ میں اپنے علمبردار اسلام ہونے کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ایسے لوگ جیسا کہ نفسیات کا مطالعہ بتاتا ہے تقریباً ہر سوسائٹی میں ضرور موجود ہوا کرتے ہیں، جن کو بس نمود ذات کی بھوک ہوتی ہے۔ یہ لوگ ہر قابل ستائش کارنامے کا کریڈٹ حاصل کرنا ہی اپنی زندگی کا مقصود سمجھتے ہیں۔ دعوت اسلامی کے دور عروج میں اس کے شاندار کارناموں کا کریڈٹ ایسا نہ تھا کہ اس ذہنیت کے لوگ اس کے حصول میں بے چین نہ ہوتے۔ پس ایسے لوگوں کا ظہور ایک قدرتی بات تھی۔ یہ ظہور غالباً اس وقت ہوا ہے جب اسلامی شوکت، عرب کے افق سیاست پر قابل لحاظ حد تک غالب ہو چکی تھی، اور مسلمان اپنی جاں فروشی کی بدولت تیزی سے اپنی تاریخ میں شاندار اور معجز نما کارناموں کا اضافہ کرتے جا رہے تھے۔ اس وقت جس طرح بہتوں نے روپیہ پیسہ کے لالچ میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے میں مصلحت دیکھی، اسی طرح کتنے ہی حوصلہ مند ایسے بھی تھے جنہوں نے پانچوں سواروں میں نام لکھالینا ہی اپنا مطمح نظر قرار دے لیا تھا لیکن اسلام کے نام پر کسی طرح کی قربانی نہ دینا بہر حال ان کے یہاں بھی ایک طے شدہ چیز تھی۔ وہ مجاہد قوم اور شہید ملت کہلانا تو چاہتے تھے، لیکن اس کی خاطر اپنی انگلی بھی کٹانے کے لیے تیار نہ تھے۔ بلکہ دوسروں کا خون لگالینا ہی کافی سمجھتے تھے۔ حسب ذیل آیت ایسے ہی مجاہدوں سے کچھ کہہ رہی ہے۔

لاَ تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلاَ تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ.

(ال عمران: ۱۸۸)

اور جو لوگ اپنے (منافقانہ) کرتوتوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام انھوں نے نہیں کیے ان پر ان کی تعریف ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں تم ہر گز یہ خیال مت کرنا کہ وہ عذاب کی زد سے باہر ہیں۔ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

قسم سوم

(شک وریب میں مبتلا عملی منافقین)

اعتقادی منافقین کے بعد عملی منافقین کا نمبر آتا ہے۔ ان منافقوں میں بدتر گروہ کو پہلے لیجئے۔ یعنی اس گروہ کو جس کی منافقت کا مرض کم یقینی کا پیدا کیا ہوا تھا، جو بقول شاہ ولی اللہ اپنے دوستوں، ساتھیوں اور خاندان والوں کی دیکھا دیکھی ملت اسلامیہ میں آداخل ہوا تھا[1] اور خود شرح صدر کی نعمت سے محروم تھا۔ اسے توحید پر وہ جزم نہ تھا جو ہونا چاہیے، اسے نبی ﷺ کی رسالت پر وہ اطمینان نہ تھا جس کے بغیر ایمان، ایمان نہیں، اگرچہ وہ کفر کے مقابلہ میں اسلام سے قریب تر تھا مگر اس کے باوجود توحید اور شرک کے بیچ میں معلق ہی تھا۔ یہ لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار بھی کرتے تھے اور اللہ کی عبادت بھی، مگر ہنوز ان کے دلوں سے ''اَرْبَابٌ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ'' کی عظمت کے پرانے نقوش محو نہ ہوئے تھے۔ ان کی عام زندگی کی سطح پر اسلام کی رنگت ضرور تھی، مگر بعض خاص حالات میں یہ رنگت اڑ بھی جاتی۔ مثلاً مصائب کے وقت خدا کے بجائے غیر اللہ کے آستانوں پر اپنی التجائیں پیش کرنے لگتے، کیونکہ ان سے ان کو حاجت روائی کی توقع ہوتی۔ یہی لوگ ہیں جن کے حق میں قرآن کہتا ہے:

---

[1] جو لوگ عام انسانی نفسیات کے ساتھ ہی ساتھ عربوں کی مخصوص قبائل پرستانہ نفسیات سے بھی واقف ہیں۔ ان پر یہ راز مخفی نہیں رہ سکتا کہ کتنے ہی عرب محض اس لیے ملت اسلامی میں آداخل ہوئے ہوں گے کہ ان کے قبیلے کے ہر دلعزیز لوگ مسلمان ہو چکے ہیں۔ یا یہ کہ ان کے ہم قبیلہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ تاریخ میں اس حقیقت کی مثالیں موجود ہیں قریب تھا کہ ابو طالب بھی اسی قسم کے محرکات کی بنا پر مسلمان ہو جاتے۔ مگر بعض اسباب نے ایسا نہ کرنے دیا لیکن اس کے باوجود یہ قبائلی عصبیت ہی کا کرشمہ تھا کہ وہ عمر بھر اہل کفر کے مقابلے میں اہل اسلام کی اعانت کرتے رہے (ص)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَئَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَالدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ o يَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَايَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ذٰلِكَ هُوَالضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ (الحج :۱۱۔۱۲)

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اللہ کی عبادت کرتے تو ہیں مگر بس حاشیے پر کھڑے ہو کر۔ یعنی اس طرح کہ اگر انھیں کوئی فائدہ پہنچا تب تو مطمئن رہے اور اگر کوئی مصیبت آپڑی تو الٹے منہ پھر گئے۔ دنیا اور آخرت دونوں سے گئے اسی کا نام کھلا نقصان ہے یہ لوگ (مصیبت کے وقت) خدا کو چھوڑ کر ان سے دعائیں مانگنے لگتے ہیں جو نہ تو ان کو نفع پہنچانے کی قدرت رکھتے ہیں نہ نقصان پہنچانے کی، یہی ہے پر لے درجے کی گمراہی۔

اگر چہ اس گروہ کے لیے قرآن میں لفظ منافق استعمال نہیں ہوا ہے، لیکن اس کی جو حالت بیان فرمائی گئی ہے وہ صاف طور سے نفاق کی تعریف میں آجاتی ہے۔ یہ لوگ ایک طرف خدا کا اقرار اور اس کی عبادت کرتے تھے اور دوسری طرف غیر خدا کو حاجت روا بھی بناتے تھے۔ یہ "ایک راستہ سے اسلام میں داخل ہونا اور دوسرے سے نکل جانا" نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر چہ یہ "داخل ہونا اور نکل جانا" اس انتہائی معنی میں نہیں جس معنی میں کہ اعتقادی منافقوں کا داخل ہونا اور نکل جانا تھا، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کو بطور اپنے دین کے منتخب کر لیا تھا اور جو ملت کفر کے مقابلہ میں اپنے آپ کو ملت اسلام سے وابستہ سمجھتے تھے اور ان کے جذبات بھی اسلام کے ساتھ تھے۔ بخلاف اعتقادی منافقین کے کہ ان میں سے ان کے اندر کوئی بات نہ تھی۔ لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ جس طرح آزمائش کے موقعے پر پہلی قسم کے منافق اسلام سے بے تعلق ثابت ہوتے ہیں۔ بالکل اسی طرح اگر نہیں تو بڑی حد تک یہ لوگ بھی کچھ الگ ہی سے نظر آتے ہیں چنانچہ احزاب کی لڑائی میں حالات کی شدت دیکھ کر اصلی منافقوں ہی نے جاہلی انداز فکر کا ثبوت نہیں دیا۔ بلکہ شک و ریب کے ان مریضوں نے بھی کچھ اسی طرح سوچنا شروع کیا تھا قرآن ان دونوں قسم کے "مسلمانوں" کا بالکل ایک ساتھ تذکرہ کرتے ہوئے کہتا ہے:۔

وَاِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ

وَرَسُوْلُهٗۤ اِلاَّ غُرُوْرًا. (الاحزاب: ۱۲)

جب منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے کہنے لگے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے ہم سے نرے دھوکے کا وعدہ (فتح) کیا تھا۔

اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ جب دل ایمان کی کم از کم گہرائی سے بھی خالی ہوں تو اللہ اور رسول سے حسن ظن اور مشکلات میں ثابت قدمی کہاں سے میسر ہو سکتی ہے۔

قسم چہارم

(مفاد پرست عملی منافقین)

یہ منافقین کی آخری قسم ہے، یہ وہ قسم ہے جو نسبتاً اسلام سے زیادہ قریب اور غیر اسلام سے بہت زیادہ دور تھی۔ یہ ان لوگوں پر مشتمل تھی جن کے عقیدے میں کفر نہیں، بلکہ اسلام ہی اسلام تھا جو اصول دین کو فطری طور سے یقیناً اپنا چکے تھے۔ جن کے دعوائے ایمان میں دکھاوا نہ تھا بلکہ جو شک اور تردد کے بھی مریض نہیں کہے جا سکتے۔ لیکن بایں ہمہ ان کو مفاد دنیا کا روگ چمٹا ہوا تھا جو انھیں اقرار اسلام کا عملی ثبوت فراہم کرنے نہیں دیتا تھا۔ یہ لوگ اصطلاحی اور سیاسی زبان میں یقیناً مسلمان تھے مگر ایسے مسلمان جن کا اسلام عزم کی پختگی اور عمل کی جرأت سے بالکل ناآشنا تھا جو ان سے ان کے جانی، مالی اور تمدنی مفادات کی قربانی نہیں لے سکتا تھا۔ ایسے کم ہمت اور ضعیف الایمان لوگوں پر صرف زجر و ملامت ہی نہیں کی گئی ہے، بلکہ بعض اوقات تو انھیں صاف لفظوں میں منافق کہہ کر پکارا گیا ہے، چنانچہ ایسے ہی لوگوں کی شان میں قرآن کہتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ اَوَ لَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۔ (العنکبوت: ۱۰۔۱۱)

اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ لیکن جب انھیں راہ خدا میں کوئی گزند پہنچتا ہے تو انسانوں کی دی ہوئی تکلیف کو عذاب الٰہی کے مانند (ناقابل برداشت اور لائق حذر) تصور کرنے لگتے ہیں اور اگر تمہارے پروردگار کی مدد آجائے تو یہی لوگ کہنے لگیں گے کہ ''ہم تو تمہارے ہی ساتھی تھے'' کیا اللہ دنیا جہان کے لوگوں کے اسرار قلوب سے واقف نہیں؟ یقیناً اللہ انھیں جان کر (یعنی نمایاں کرکے) رہے گا۔ جو واقعی صاحب ایمان ہیں، اور انھیں بھی جو منافق ہیں۔

واضح رہے کہ یہ آیات سورہ عنکبوت کی ہیں جو اس وقت نازل ہوئی تھیں جب مسلمانوں کا قافلہ ستم کدہ مکہ میں ہی جاگزیں تھا اور دشمنان الٰہی کے نت نئے مظالم کا تختہ مشق بنا ہوا تھا ظاہر ہے کہ ستم کدے کے اندر اور اس کے دور مظلومیت میں ایسے منافقین کا ظہور کہاں سے ہو سکتا ہے جو کسی غرض اور مصلحت کی بنا پر اظہار ایمان کرتے۔ اس وقت تو اسلام سیاسی اور سماجی ہر حیثیت سے مظلوم و مقہور تھا، اس کا نام لینا ہی ہر طرح کی اذیتوں کو دعوت دینا تھا۔ لہذا یہ بالکل ناممکن ہے کہ یہاں ان منافقوں کا ذکر ہو رہا ہو جو عقیدے کے منافق ہوں۔ اسی طرح اس کا بھی کوئی قرینہ نہیں کہ ان آیتوں میں قسم سوم کے منافقوں کا تذکرہ ہو۔ یعنی ان منافقوں کا جو عمل اور اخلاق کے اعتبار سے منافق ہوں اور جن کے نفاق عمل کا سرچشمہ ان کا شک و تردد ہو۔ کیونکہ آگے پیچھے جو تفصیلات بیان ہوئی ہیں اور اس گروہ کے جو حالات پیش فرمائے گئے ہیں ان میں ایمان کی بے یقینی کا کوئی ذکر نہیں بلکہ صرف ضعف ہمت اور حب دنیا کا ذکر ہے اس لیے لازماً یہاں ان کچے مسلمانوں کا ذکر ہے اور ان ہی کو تغلیظاً منافق بھی کہا گیا ہے، جو کفار کی (وحشیانہ ستم آرائیوں سے بے قرار ہو کر صبر کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیا کرتے تھے۔ چونکہ اب ایک عظیم الشان قربانی کی طلب کا وقت قریب تھا (یعنی ہجرت کا) اس لیے اللہ تعالی نے ابھی سے زمین ہموار کرنی شروع کر دی تھی اور اشاروں اشاروں میں اس کے لیے کمریں کس لینے کی فہمائش کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ یہاں آخری آیت میں جس آزمائش کی طرف اشارہ ہے وہ اس ہجرت ہی کی آزمائش ہے جو چند دنوں بعد ہی مسلمانوں کو پیش آئی۔ یہ آزمائش بھی جان اور مال کی قربانیوں کی طرح نہایت ہی سخت ہے، جس میں اچھے

اچھوں کی ہمتیں چھوٹ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب ہجرت کا صریح حکم آگیا تو ضعیف الایمان گروہ کے قدم پھسل گئے۔ اور وہ مختلف حیلوں بہانوں سے مکہ ہی میں رہ گیا۔ یہ لوگ اگرچہ خدا کو ایک، اور رسول کو برحق مانتے تھے، قرآن کی تلاوت بھی کرتے تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے اور اس لحاظ سے ملت اسلامیہ ہی میں شامل تھے مگر چونکہ ان کا ایمان ایسا نہ تھا کہ خدا کی محبت پر اپنے گھربار اور اہل وعیال اور ملک ووطن کی محبت کو قربان کردیتے، اور اسلام سے ان کا تعلق ایسا مضبوط نہ تھا کہ جس وطن میں ان کو مسلمانہ زندگی بسر کرنے کا موقع نہیں مل رہا تھا، اسے حکم الٰہی آجانے کے بعد چھوڑ کر نکل کھڑے ہوتے اور ہر اس جگہ جانے کے لیے تیار ہو جاتے جہاں وہ مسلمانہ زندگی بسر کر سکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو سچے مسلمانوں سے الگ کر دیا۔ ان کے اخلاقی درجہ اور قانونی حقوق دونوں کو اصلی مسلمانوں سے الگ کر کے رکھ دیا:۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَالَكُمْ مِنْ وَّلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيْثَاقٌ. (الانفال: ۷۲)

اور جو لوگ ایمان تو لائے مگر انھوں نے ہجرت نہیں کی ان کی ولایت سے تمہیں کوئی سروکار نہیں جب تک کہ وہ بھی (تمہاری طرح) ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے معاملے میں وہ لوگ (کفار کے خلاف) تم سے مدد چاہیں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے، بشرطیکہ اس گروہ سے جس کے خلاف وہ تم سے مدد طلب کریں، پہلے سے تمہارا کوئی معاہدہ نہ ہو۔

غور فرمایئے! یہاں اگرچہ اللہ تعالیٰ کے انداز بیان سے ان ضعفاء کے خلاف وہ ناگواری ظاہر نہیں ہو رہی ہے جو کامل منافقوں کے بارے میں عموماً وہ ظاہر کیا کرتا ہے، لیکن وہ صاف طور پر فرق کرتا ہے، ان مسلمانوں میں جو اسلام لانے کے بعد دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر اسلام کو عزیز رکھتے ہیں اور ان مسلمانوں میں جن کے اندر اتنی اخلاقی طاقت یا اسلام کی اتنی محبت نہیں ہے کہ اس کی خاطر اہل وعیال اور گھربار چھوڑ سکیں۔ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اصل ملت اسلامیہ پہلا گروہ ہے، نہ کہ دوسرا، وہ حزب اسلامی کی حیثیت سے صرف پہلے گروہ کو خطاب کرتا ہے اور دوسرے گروہ کی حیثیت اس کی نظر میں صرف یہ ہے کہ محض ان کے اقرار اسلام کی وجہ سے وہ حزب اسلامی کے

ساتھ ان کا یک گونہ تعلق تسلیم کرتا ہے۔ پھر "یک گونہ تعلق" بھی کتنا حقیر ہے کہ اسلام لانے کے بعد ہجرت اور جہاد کرنے والے مسلمان تو ایک دوسرے کے اولیاء ہیں مگر ہجرت اور جہاد نہ کرنے والے مسلمان اس برادری سے باہر ہیں ان کے ساتھ "ولایت" کا کوئی تعلق نہیں۔ ان کا حق صرف اتنا ہے کہ اگر مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار ان کو ستائیں اور وہ حکومت اسلامی سے مدد مانگیں تو اسلامی حکومت پر فرض ہے کہ ان کی مدد کرے۔ لیکن اگر کفار سے اسلامی حکومت کا پہلے سے نہ لڑنے کا کوئی معاہدہ موجود ہو تو اس صورت میں وہ اپنے ان نام نہاد مسلمان بھائیوں کی یہ مدد بھی نہ کرے گی۔ کیونکہ جو مسلمان اپنے ایمان پر وطن اور قبیلے کی محبت کو قربان نہیں کرسکتے وہ اتنی قیمت نہیں رکھتے کہ ملت اسلامیہ ان پر سے اپنے معاہدات کو قربان کردے۔

یہ مفاد پرستی جس کا منافقین عمل واخلاق کی یہ قسم شمار ہوتی ہے۔ بسا اوقات وہ کام بھی کرادیتی ہے جس کے بعد انسان جہنم کا ایندھن بنے بغیر نہیں رہتا۔ قرآن مجید ایک گروہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ ط قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا ط فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا

(النساء: ۹۷)

ان لوگوں سے جن کی جانیں فرشتوں نے اس حال میں نکالیں کہ وہ کافروں کے خوف سے علانیہ حق پرستی نہ کرکے اپنے اوپر آپ ظلم کررہے تھے، فرشتوں نے پوچھا کہ تم یہ کس حال میں تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم اپنے وطن میں بے بس تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا خدا کی زمین تمہارے لیے وسیع نہ تھی کہ تم (حق کی خاطر) اس میں کسی طرف ہجرت کرکے چلے جاتے (اور وہاں آزادانہ خدا کی بندگی کرتے) پس یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

حضرت ابن عباس اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ مکہ میں کچھ لوگ اسلام کا اقرار کرچکے تھے، لیکن کفار قریش کے خوف سے اس کا علانیہ اظہار نہیں کرتے تھے، مشرک انھیں اپنا ہی آدمی سمجھتے رہے، آخرکار جب بدر کا معرکہ پیش آیا تو انھیں بھی مجبوراً مشرکوں کے ساتھ مل کر

مسلمانوں کے مقابل آنا پڑا۔ بعض ان میں سے مارے گئے۔ ہنگامہ کارزار فرو ہونے کے بعد جب ان کی نعشیں پہچانی گئیں تو مسلمانوں نے کہا کہ یہ تو ہمارے بھائی تھے، صرف کافروں کے مجبور کرنے سے جنگ میں شریک ہوئے تھے۔ آؤان کے حق میں اللہ تعالی سے مغفرت کی دعا کریں۔ اس پر یہ آیت اتری، اور اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ جس مدعی ایمان نے استطاعت رکھتے ہوئے اپنے متاع ایمانی کی حفاظت کے لیے وطن کی محبت کو قربان نہ کیا اور جلاوطنی کی مصیبتیں سہنے سے منہ موڑا حتی کہ اسے کفر کی حمایت میں اسلام کے خلاف تلوار بھی اٹھانی پڑی، اللہ تعالی کی جناب میں اس کے ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ اسے مومن اور مسلم کہنا ہی سرے سے غلط ہے۔

مکہ میں ایسے لوگوں کی تعداد تو شاید بہت زیادہ نہیں تھی مگر مدینے میں ایسے نام نہاد مسلمانوں کا ایک بڑا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اگر چہ اسلام کو واقعی اپنا دین سمجھتا تھا مگر ان کی یہ اسلام نوازی ان کے ذوق مفاد پرستی کی تابع فرمان تھی۔ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ:۔

اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَھُمْ کُفُّوْآ اَیْدِیَکُمْ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَلَمَّا کُتِبَ عَلَیْھِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ کَخَشْیَۃِ اللّٰہِ اَوْ اَشَدَّ خَشْیَۃً وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ کَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓی اَجَلٍ قَرِیْبٍ. (النساء :۷۷)

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن سے کہا گیا کہ (ابھی لڑائی سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو (یعنی سردست محض) نماز پڑھو اور زکوۃ دو ؟(سو یہ احکام تو بخوبی ادا کرتے رہے) پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ آدمیوں سے (یعنی دشمنوں سے جو بہر حال انھیں جیسے انسان تھے) اس طرح ڈرنے لگا جس طرح اللہ سے ڈرنا چاہیے، بلکہ اس سے بھی زیادہ، اور کہنے لگا خدایا! تم نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ ہمیں تھوڑی مہلت اور کیوں نہ دی؟)

ان آیتوں میں اس امر کی صراحت موجود ہے کہ یہ لوگ قرآنی احکام و نواہی سے بالکلیہ منحرف نہیں تھے، بلکہ نماز و زکوۃ کی ادائیگی اور ایسے ہی دوسرے احکام کے بجالانے میں دوسرے مسلمانوں سے کسی طرح کم نہ تھے، لیکن جب لڑائی کا وقت آیا تو وہ میدان جنگ کے خوفناک مناظر و مصائب کا تصور کر کے کانپ اٹھے اور ایمان کی کمزوری دلوں سے نکل کر چہروں پر چھلکنے لگی۔ کیوں کہ دلوں میں دنیا کا عشق سمایا ہوا تھا، لہذا میدان جنگ کا نام سنتے ہی ان کے حواس گم ہو گئے اس لیے کہ

وہاں جانے کے بعد تو پوری دنیا ہی کے چھن جانے کا امکان تھا۔ ان کے اسی عشق متاع دنیا کو پیش نظر رکھ کر آگے اللہ تعالی نے فرمایا، دنیا کی متاع تو بہت ہی بے قیمت ہے، آخرت اس سے کہیں بہتر ہے۔ "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ"

غزوہ احد کے لیے نفیر عام ہوئی تھی، اس لیے چار و ناچار ان سب لوگوں کو لڑائی کے لیے نکلنا ہی پڑا جو اپنا شمار مسلمانوں میں کرایا کرتے تھے۔ پھر تھوڑی دور جانے کے بعد پکے (یعنی اعتقادی) منافقوں نے کچھ باتیں بنا کر ساتھ چھوڑ دیا اور واپس چلے آئے۔ مگر دوسروں کو بہر حال میدان کارزار میں اترنا ہی پڑا۔ ان میں یہ عملی منافقین بھی تھے۔ جب تک مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہ بھی یک گونہ مطمئن رہے مگر جب کفار کا پہلو غالب ہونے لگا اور لشکر اسلام میں انتشار برپا ہوا تو یکایک ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْئٍ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْئٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا.

(آل عمران: ۱۵۴)

"انھیں بس اپنی جانوں کی فکر لگی ہوئی تھی۔ اللہ کے متعلق ناروا اور جاہلیت کے زمانہ کا سا گمان کر رہے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہمیں بھی کچھ اختیار ہے؟ اے پیغمبر! ان سے کہہ دو کہ سارا اختیار تو اللہ کے ہاتھ ہے (محض اتنا ہی نہیں بلکہ) وہ اپنے دلوں میں اور باتیں بھی چھپائے ہوئے ہیں جنھیں صاف صاف ظاہر نہیں کرتے۔ دل میں کہتے ہیں کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو (نہ ہم یہاں آتے اور) نہ مارے جاتے"۔

اعمالِ نفاق

اہلِ نفاق کی اصولی اور بنیادی قسمیں یہی ہیں، جو بیان ہوئیں۔ قرآن میں ان تمام اقسامِ منافقین کی ذہنیتوں کا بڑا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے اور ان کے افکار واعمال کی ایک طویل فہرست پیش کی گئی ہے، اس فہرست کو اگر ''آلۂ نفاق پیما'' یا ''مقیاس النفاق'' کہا جائے تو یہ صرف ایک واقعہ کا اظہار ہوگا۔ مبالغہ ہرگز نہ ہوگا۔ اس فہرست میں اعتقادی اور عملی، مفاد پرست اور غیر مفاد پرست، غرض ہر قسم کے اور ہر قسم میں سے بھی ہر گروہ کے اعمال و صفات کا تذکرہ ہے۔ اس میں وہ اعمال بھی ہیں جو کسی خاص قسم یا کسی قسم کے کسی خاص گروہ کے مخصوص اعمال و صفات ہیں، اور وہ اعمال و صفات بھی ہیں جو دو یا دو سے زائد قسموں اور گروہوں میں مشترک ہیں، اور وہ اعمال واطوار بھی ہیں جو تمام منافقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان اعمال میں سے بعض کا تذکرہ اگرچہ مختلف قسموں اور گروہوں کے تذکرے کے ضمن میں اوپر آ چکا ہے، لیکن اعمال نفاق کا ایک بہت ہی قلیل حصہ ہے جو اس طرح بیان ہو سکا ہے یعنی یہ صرف وہ اعمال ہیں جو الگ الگ گروہوں کی مخصوص اور امتیازی صفات ہیں، بلکہ ان کا بھی محض ایک جزو ہیں جنھیں یا تو بطور مثال بیان کر دیا گیا ہے یا پھر ان مختلف گروہوں کے نمایاں ترین اوصاف کی حیثیت سے۔ باقی اور سارے اعمال واوصاف جن میں زیادہ تر مشترک اور کچھ مخصوص صفات سبھی شامل ہیں، اور جن کی تعداد بہت کافی ہے، ابھی تک بیان نہیں ہو سکے ہیں۔ اس لیے ہم اختصار کے ساتھ ان سارے اعمال کو اکٹھا نمبر وار درج کرتے ہیں تاکہ یہ پورا مرقعِ

نفاق بیک وقت نگاہوں کے سامنے آجائے اور اس سے وہ فائدہ پوری آسانی سے حاصل کیا جاسکے جو اس کتاب کا مقصدِ تالیف ہے قرآن اور حدیث میں نفاق کے جو اعمال اور اوصاف بیان کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں:۔

(۱) ظاہر اور باطن کا مختلف ہونا۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ مَّالَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ . (الفتح: ۱۱)

(۲) خود غرض اور موقع پرست ہونا۔ اَلَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ الخ (النساء: ۱۴۱)

(۳) خطرے کے وقت اصول کی پابندی کو حماقت، مشکلات میں راست بازی اور دیانت کو بیوقوفی اور راہ حق میں اظہار عزیمت کو ناعاقبت اندیشی سمجھنا۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْآ اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ۔ (البقرہ ۔ ۱۳)

(۴) اسلام اور امت اسلامیہ کے مصائب پر مسرور ہونا اور اس کی ترقی اور خوشحالی کو دیکھ کر جل اٹھنا۔ اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا الخ (آل عمران :۱۲۰)

(۵) مصالح اسلامی کے خلاف سازشیں کرنا۔ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ الخ (النساء :۸۱)

(٦) اسلامی سیاسیات سے متعلق اہم امور کو جنھیں اہل حل وعقد کے پاس صیغہ راز میں رکھنا چاہیے، عوام میں مشہور کر دینا۔ وَاِذَاجَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ (النساء: ۸۳)

(۷) ارشادات نبوی اور فرامین الٰہی کے خلاف سرگوشیاں کرنا۔ ثُمَّ يَعُوْدُوْنَ لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَيَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِيَتِ الرَّسُوْلِ. (المجادلۃ :۸)

(۸) اہل حق اور اہل باطل دونوں سے فریب کارانہ راہ ورسم رکھنا تاکہ ہر ایک کی مخالفت سے امن حاصل رہے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ (النساء: ۹۱)

(۹) قوانین اسلام کو (خصوصاً جہاد کو) خلافِ مصلحت بلکہ وجہ فساد اور ناقابل عمل سمجھنا اور اس کے مقابلہ میں اپنے نفس کے وضع کردہ خود غرضانہ طرز عمل کو امن وصلاح کا ضامن

سمجھنا۔ قَالُوْآ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (البقرہ: ۱۱)

(۱۰) فتنہ پسند ہونا۔ كُلَّمَا رُدُّوْ اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا (النساء : ۹۱)

(۱۱) اسلام کو آج قبول کرنا اور کل اس سے برگشتہ ہو جانا، محض اس لیے تاکہ عوام کو اسلام سے نفرت پیدا ہو۔ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْ اُنْزِلَ الخ

(آل عمران: ۷۲)

(۱۲) کفار اور دشمنان اسلام سے دلی دوستی اور محبت، یامددگاری و معاونت کا تعلق رکھنا۔ اَلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ. (النساء: ۱۳۹)

(۱۳) اسلام کی محارب اور بدخواہ قوتوں کو علمبرداران اسلام کے مقابل امداد دینا یا امداد کا وعدہ کرنا۔ وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ . (الحشر: ۱۳۹)

(۱۴) کفار کے ہاں رسوخ اور عزت کا طالب ہونا۔ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَ هُمُ الْعِزَّةَ (النساء :۱۳۹)

(۱۵) اسلامی عدالت کو چھوڑ کر ایسی عدالتوں میں اپنے معاملات لے جانا جو غیر اسلامی قوانین پر فیصلہ کرتی ہوں۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْ اِلَى الطَّاغُوْتِ (النساء : ۶۰)

(۱۶) شریعت کے قوانین پر محض اس وقت عمل کرنا جب کہ اپنا فائدہ ہوتا ہو، اور جہاں یہ اندیشہ ہو کہ شریعت کا فیصلہ ہماری خواہشوں کے خلاف ہو گا وہاں اس سے دور بھاگنا اور صاف لفظوں میں اسے ٹھکرا دینا۔ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ.

(النور : ۴۸-۴۹)

(۱۷) حق کے واضح ہو جانے کے بعد، اور اسے حق جان لینے کے باوجود غرور اور خود پرستی کی وجہ سے اور جھوٹی عزت کے خیال سے اپنی غلط روش پر جمے رہنا۔ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (البقرۃ: ۲۰۶)

(۱۸) اخلاق اور تقوے کے بجائے نسلی اور قومی امتیازات کو وجہ عزت وذلت سمجھنا اور انہی امتیازات کا سوال اٹھا کر امت میں نسلی گروہ بندی پیدا کرنا۔ يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (المنفقون:۸)

(۱۹) تقویٰ اور مغفرت کو ہیچ، اور اپنے کو ان چیزوں سے بلند و برتر اور بے نیاز سمجھنا، وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ وَرَاَيْتَهُمْ يَصُدُّوْنَ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ. (المنافقون : ۵)

(۲۰) اپنی عقل و فہم کو معیارِ حق سمجھنا اور قرآن کے بیان کردہ حقائق کا مذاق اڑانا، ان پر نکتہ چینی کرنا۔ وَلِيَقُوْلَ ..... مَاذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلاً. (المدثر :۳۱)

(۲۱) نماز اور اذان کا اور تمام شعائر اسلامی کا مذاق اڑانا۔ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِباً. (المائدة:۵۸)

(۲۲) اللہ تعالیٰ کو، اس کے رسول کو اور اس کی آیات کو دل لگی کا سامان بنانا۔ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُم تَسْتَهْزِءُوْنَ . (التوبة: ٦٥)

(۲۳) مالدار مسلمانوں کے مخلصانہ انفاق فی سبیل اللہ پر ریاکاری کا الزام لگانا اور غریب مسلمانوں کے تھوڑے صدقات کی ہنسی اڑانا۔ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ ...... فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ. (التوبة : ۷۹)

(۲۴) خدا سے یہ دعا کرنا کہ اگر تو نے مجھے مال دیا تو تیری راہ میں خرچ کروں گا لیکن مالدار ہو جانے کے بعد اس عہد کو فراموش کر دینا۔ اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے بخل کرنا۔
فَلَمَّا اٰتَاهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ (التوبة: ۷٦)

(۲۵) اگر راہ خدا میں کبھی خرچ کیا بھی تو قلبی کراہیت اور ناگواری کے ساتھ۔ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلاَّ وَهُمْ كَارِهُوْنَ . (التوبة: ۵۴)

(۲٦) راہ خدا میں صرف کرنے کو مفت کا تاوان اور لاحاصل خرچ سمجھنا۔ وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَايُنْفِقُ مَغْرَمًا الخ (التوبة:۹۸)

(۲۷) دوسرے مال دار مسلمانوں کو غریب کی مدد کرنے سے روکنا، تاکہ حزب اسلامی میں بالآخر پراگندگی پیدا ہو جائے۔ هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَاتُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا. (المنفقون :۷)

(۲۸) مصائب کے وقت توحید سے رشتہ عقیدت کا ٹوٹ ٹوٹ جانا۔ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ

اللّٰهَ عَلٰی حَرْفٍ الخ (الحج:۱۱)

(۲۹) لوگوں کو اچھے کاموں سے روکنا اور برائی کی تلقین کرنا۔ یَأْمُرُوْنَ بِالْمُنْکَرِ وَیَنْھَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ. (التوبة : ٦٧)

(۳۰) معاشرے میں فحش اور بداخلاقی کی ترویج کرنا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا . (النور:۱۹)

(۳۱) شیرازہ ملت کو مذہبی فرقہ بندیوں کے ذریعہ درہم برہم کرنا۔ وَ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّ کُفْرًا وَّتَفْرِیْقًا الخ (التوبة : ۱۰۷)

(۳۲) گناہ اور برائی چھوٹ ہو جانا۔ وَتَرٰی کَثِیْرًا مِّنْھُمْ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (المائدة: ٦٢)

(۳۳) اپنی مطلب برآری کے لیے جھوٹی قسمیں کھانا۔ اِتَّخَذُوْٓا اَیْمَانَھُمْ جُنَّةً (المنفقون :۲)

(۳۴) جھوٹے وعدے کرنا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نَافَقُوْا یَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِھِمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَکُمْ وَاللّٰهُ یَشْھَدُ اِنَّھُمْ لَکٰذِبُوْنَ . (الحشر : ۱۱)

(۳۵) بغیر کسی کارنامے کے سرانجام دیئے اس کا کریڈٹ حاصل کرنے کی کوشش کرنا یعنی جھوٹی شہرت کا حریص ہونا۔ وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (آل عمران :۱۸۸)

(۳٦) سلامت قلب حاصل نہ ہونے کے باعث سچائی اور نیکی کی حقیقتیں نہ سمجھ پانا۔ وَلٰکِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ لَا یَفْقَھُوْنَ (المنفقون:۷) فَمَالِ ھٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَایَکَادُوْنَ یَفْقَھُوْنَ حَدِیْثًا . (النساء :۷۸)

(۳۷) بزدل ہونا۔ وَلٰکِنَّھُمْ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ . (التوبة:۷)

(۳۸) اعداء اسلام سے در پردہ خوشامدانہ ربط وضبط رکھنا، صرف اس خوف سے کہ کہیں وہ کوئی گزند نہ پہنچائیں...... فَتَرَی الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ یُّسَارِعُوْنَ فِیْھِمْ یَقُوْلُوْنَ نَخْشٰٓی اَنْ تُصِیْبَنَا دَآئِرَةٌ . (المائدة:۵۲)

(۳۹) بزدلی اور عشق دنیا کی وجہ سے ہر مصیبت کو خواہ اس کا رخ کسی طرف ہو، اپنے ہی لیے سمجھنا یَحْسَبُوْنَ كُلَّ صَيْحَةٍ عَلَيْهِمْ (المنفقون: ۴)

(۴۰) اپنے ''مسلم'' ہونے پر توفیق الٰہی کا شکر گذار ہونے کے بجائے الٹا اللہ اور اس کے رسول اور عام امت مسلمہ پر احسان رکھنا۔ يَمُنُّوْنَ عَلَيْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا (الحجرات: ۱۷)

(۴۱) نماز کی ادائیگی اور پابندی کو گراں محسوس کرنا، محض لوگوں کو دکھانے کی خاطر نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں آنا اور اس طرح الکساتے ہوئے آنا جس سے صاف ظاہر ہو کہ بادل ناخواستہ آئے ہیں۔ وَ اِذَا قَامُوْآ اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ [۱] (النساء: ۱۴۲) نماز کو خصوصاً فجر اور عشاء کی نمازوں کو با جماعت ادا نہ کرنا (مشکوۃ)

(۴۲) ہلکے اور بے ضرر احکام شرعیہ پر تو عمل کر لینا، لیکن سخت اور ایثار طلب احکام سے روگردانی

---

[۱] یہ آیت کریمہ ایک بڑی حقیقت کی پردہ کشائی کر رہی ہے اس میں منافقین کی علامت یہ نہیں بتائی گئی ہے کہ وہ نماز کے لیے مسجدوں میں نہیں آتے بلکہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ الکساتے ہوئے آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نماز، مومن اور کافر کے درمیان حد فاصل تھی جو شخص موذن کی پکار پر مسجد میں نہ پہنچتا اس کے متعلق سمجھ لیا جاتا تھا کہ اسلام اسے قبول نہیں ہے۔ اور اس بنا پر وہ امت سے خارج سمجھ لیا جاتا تھا۔ لہذا اس زمانہ میں ہر اس شخص کو نماز کے لیے مسجد میں حاضر ہونا پڑتا تھا جو مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنا چاہتا ہو۔ عام اس سے کہ وہ مومن ہو یا منافق۔ اگرچہ دل سے نماز کو فرض نہیں سمجھتے تھے اور نہ اسے ادا کرنا چاہتے تھے مگر چونکہ انہیں منافقانہ اغراض کے لیے اس امر کی ضرورت تھی کہ ملت اسلامی میں گھسے رہیں اس لیے وہ نماز کے اوقات میں مجبوراً مسجد جاتے تھے اس وقت مومن اور منافق کے درمیان تمیز صرف اسی طرح ہوتی تھی کہ مومن ایسے ذوق و شوق کے ساتھ آتے تھے جیسے کہ وہ احساس فرض سے خود بخود کھنچے چلے آرہے ہیں اور منافقین اس طرح بادل ناخواستہ آتے تھے گویا زبردستی اپنے آپ کو کھینچے لا رہے ہیں۔ اب صورت معاملہ بالکل بدل گئی ہے۔ آج کسی منافق کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل رہنے کے لیے نمائشی نماز کی بھی حاجت نہیں رہی۔ کیوں کہ اس کے بغیر بھی وہ اچھا خاصا مسلمان سمجھا جا رہا ہے گویا آج نماز مومن اور کافر کے درمیان نہیں بلکہ مومن اور منافق کے درمیان حد فاصل بن گئی ہے۔ اب منافق کی کھلی ہوئی علامت یہ ہے کہ وہ اذان کی آواز سن کر ٹس سے مس نہ ہو۔ اور جب نماز کا وقت آئے تو ادائے فرض کے لیے حرکت نہ کرے۔

کر جانا۔ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ کُفُّوْآ اَیْدِیَکُمْ ۔۔۔ (النساء :۷۷)

(۴۳) جہاد کا نام سن کر کانپ اٹھنا اور میدان جہاد کی طرف رخ کرتے ہوئے شدت خوف سے بدحواس ہو جانا۔ رَاَیْتَ الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یَّنْظُرُوْنَ اِلَیْكَ نَظَرَ الْمَغْشِیِّ عَلَیْهِ مِنَ الْمَوْتِ . (المحمد:۲۰)

(۴۴) فریضہ جہاد کی ادائیگی کے وقت جبکہ عام امت اس فرض کو پورا کرنے کے لیے غنیم کے مقابل جا رہی ہو۔ ہر طرح کی استطاعت رکھنے کے باوجود امام وقت کے سامنے طرح طرح کے بہانے پیش کرنا اور پیچھے رہ جانے کی اجازت چاہنا۔ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ . (التوبۃ:۸۶)

(۴۵) جنگ کی ضرورت سورج کی طرح عیاں ہو لیکن مختلف تاویلوں سے، تاکہ اس آزمائش سے نجات مل جائے، اس ضرورت کا انکار کرنا۔ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالاً لَّا تَّبَعْنٰکُمْ.

(آل عمران:۱۶۷)

(۴۶) جہاد کی ضرورت سے انکار تو نہ ہو لیکن اس کی تکلیفوں اور صعوبتوں کا تصور کر کے اسے مصالح کے خلاف بتانا، خود بھی گھر بیٹھ رہنا اور دوسروں کو بھی تن آسانی اور عافیت کوشی کی ترغیب دینا۔ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِی الْحَرِّ . (التوبۃ:۸۱)

(۴۷) میدان جہاد میں مصالح ملی اور اسلامی عزت و ناموس کے بجائے اپنی جانوں ہی کی فکر میں رہنا۔ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ..... یَقُوْلُوْنَ لَوْ کَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْئٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا. (آل عمران:۱۵۴)

(۴۸) مسلمان ہونے کا مطلب یہ سمجھنا کہ اب ہمیں کسی مصیبت سے دوچار ہونا نہ چاہیے، کیونکہ جب ہم رب السّموات والارض کے تنہا نام لیوا ہیں تو ہم کو اپنے دشمنوں اور منکروں کے مقابلہ میں مبتلائے مصیبت کیوں کرے گا۔ پھر جب کوئی ایسا موقع آپڑے کہ بظاہر مسلمانوں کو مادی مضرت پہنچ رہی ہو تو خدا، اس کے رسول اور اس کے بھیجے ہوئے دین اسلام کی صداقت میں طرح طرح کے شک کرنا۔ وَاِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ مَّا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اِلاَّ غُرُوْرًا. (الاحزاب :۱۲)

یَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَیْرَالحَقِّ ظَنَّ الجَاھِلِیَّۃِ (آل عمران۔ ۱۵۴)

(۴۹) میدان جہاد سے امام اور لشکر اسلام کو چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہونا، خواہ اپنی جان بچانے کی نیت سے خواہ مسلمانوں کے حوصلے پست کرنے کی غرض سے۔ وَاِذْ قَالَتْ طَّآئِفَۃٌ مِّنْھُمْ یٰٓاَھْلَ یَثْرِبَ لاَ مُقَامَ لَکُمْ فَارْجِعُوْا.... اِنْ یُّرِیْدُوْنَ اِلاَّ فِرَارًا.

(الاحزاب: ۱۳)

(۵۰) شرکت جہاد کی سعادت سے محروم رہنے پر حزین وملول ہونے کی بجائے مسرور ہونا۔ فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِھِمْ خِلاَفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ. (التوبة:۸۱)

(۵۱) خود رکنے کے علاوہ دوسروں کو بھی میدان جنگ میں جانے سے روکنا۔ قَدْ یَعْلَمُ اللّٰهُ الْمُعَوِّقِیْنَ مِنْکُمْ وَالْقَآئِلِیْنَ لِاِخْوَانِھِمْ ھَلُمَّ اِلَیْنَا. (الاحزاب:۱۸)

(۵۲) راہ حق میں جان دینے کی سعادت اور ارجمندی سے بے خبر ہونا، اسے مفت کا ضیاعِ جان سمجھنا اور جس طرح کسی کی بدانجامی پر افسوس کیا جاتا ہے اس طرح شہداء کی موت پر اظہار افسوس کرنا۔ اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا.

(آل عمران:۱۶۸)

(۵۳) ایمان کی قوت اور صبر و توکل علی اللہ کی کیفیت کا قدر شناس نہ ہونا، کفر و ایمان دونوں کو اثر، نفوذ اور ثبات کے لحاظ سے ایک جیسا سمجھنا، اس علم سے محروم اور اس یقین سے خالی ہونا کہ فتح و شکست کا مدار اصلی مادی اسباب پر نہیں بلکہ ایمان باللہ کی بخشی ہوئی قلبی استقامت پر اور اپنے نصب العین کی خاطر اک گونہ عالم اسباب سے بالاتر ہو جانے پر ہے۔ اس حقیقت سے ناآشنا ہونا کہ حق پرست کی حمایت سے اگر دنیا جہاں کے انسان منہ موڑلیں تب بھی اس کے لیے غم واضطراب کا کوئی موقع نہیں کہ دشمن اگر قوی ست نگہباں قوی ترست۔ اِذْ یَقُوْلُ الْمُنَافِقُوْنَ وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ غَرَّ ھٰٓؤُلَآءِ دِیْنُھُمْ. (الا نفال :۴۹)

(۵۴) صرف اس وقت جنگ کے لیے نکلنا جب یہ توقع ہو کہ نہ کوئی خطرناک صورتحال واقع ہوگی اور نہ راستہ میں مشکلات اور مصائب پیش آئیں گے۔ بلکہ نہایت آسانی سے

مال غنیمت لوٹ کر واپسی ہو جائے گی۔ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّا اتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ (التوبة:۴۲)

(۵۵) خطرے کے وقت تو مسلمانوں کا ساتھ نہ دینا، مگر جب وقت گزر جائے اور مسلمان میدان جنگ سے واپس آئیں تو پوری مومنانہ صورت اور مخلصانہ لب ولہجہ کے ساتھ ان کا استقبال کرنا اور اپنے عدم شرکت کی جھوٹی مجبوریاں بیان کر کے معذرت خواہ ہونا اور محض زبانی اور وہ بھی نمائشی اظہار ہمدردی اور لمبی چوڑی قسموں سے لوگوں کو خوش رکھنے کی سعی کرنا۔ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِاسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُونَ: (التوبة:۴۲)

(۵۶) اگر کسی مجبوری کی وجہ سے جنگ میں شریک ہونے کی نوبت بھی آجائے تو جماعت میں فتنہ انگیزیاں کرتے رہنا اور اس طرح اسے تقویت دینے کی بجائے اور کمزور کرنا۔ لَوْخَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّازَادُوْكُمْ إِلاَّ خَبَالاً وَّلَا اَوْضَعُوْا خِلَالَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ... (التوبة:۴۷)

(۵۷) امن کو اپنی اغراض کی خاطر برباد کرنا خصوصاً ایسے وقت کو اپنی مطلب بر آری کے لیے غنیمت سمجھنا اور اس میں فتنہ وفساد برپا کر دینا جب اقتدار حکومت اپنی دوسری اہم مشغولیتوں کے باعث ان کی نگرانی نہ کر رہا ہو۔ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوْآ أَرْحَامَكُمْ. (المحمد: ۲۲)

(۵۸) جہاد میں شریک ہونا ہو بھی تو محض دنیوی فائدے اور حصولِ غنائم کے لالچ سے، نہ کہ حق کو بلند کرنے اور باطل کو سرنگوں کرنے کی خاطر۔ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزاً عَظِيْمًا. (النساء : ۷۳)

(۵۹) قربانیاں دینے کے وقت تو چھپ کر بیٹھ رہنا، لیکن مال غنیمت میں، یا جو شے بھی عام مسلمانوں کی قربانیوں کے نتیجہ میں حاصل ہو۔ اس میں حصہ بٹانے کے لیے اسلام کی فلاح و بہبود کا دم بھرتے اور ایمان کے نعرے لگاتے ہوئے آموجود ہونا۔ فَإِذَا ذَهَبَ

الْخَوْفُ سَلَقُوْكُمْ بِاَلْسِنَةٍ حِدَادٍ اَشِحَّةً عَلَى الْخَيْرِ (الاحزاب:۱۹)

(۶۰) وظائف یا اموال غنیمت یا صدقات وزکوۃ کی تقسیم کے وقت زیادہ سے زیادہ مال حاصل کرنے کی سعی کرنا، اور اگر حسبِ خواہش حصہ نہ لگے تو بگڑ بیٹھنا اور اپنی کارگذاریوں کو دیکھنے کے بجائے امامِ جماعت پر بہتان لگانا۔ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَ اِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَا اِذَاهُمْ يَسْخَطُوْنَ. (التوبة:۵۸)

(۶۱) ایسی پالیسی اختیار کرنا کہ بہرحال اپنا داہان آز بھرے۔ اگر مسلمان غالب ہوں تو ان سے بھی مال غنیمت میں حصہ مل کر رہے اور اگر دشمن غالب رہیں تو ان سے بھی صلہ ہاتھ آئے۔ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْآ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ وَ اِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ قَالُوْآ اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ . (النساء :۱۴۱)

(۶۲) اسلام کی محبت کو اہل وعیال اور وطن کی محبت پر قربان کردینا، اور بوقت ضرورت دین کی خاطر ترک وطن یعنی ہجرت نہ کرنا، اور غیر اسلامی طرز زندگی بسر کرنے پر قانع رہنا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِى الْاَرْضِ قَالُوْآ اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا (النساء:۹۷) نیز وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ. (العنکبوت:۱۱) (جیسا کہ پہلے بالتشریح بتایا جاچکا ہے، یہ آیت تمہید ہجرت کے سلسلہ میں نازل ہوئی ہے اور یہاں منافق ان ہی لوگوں کو کہا گیا ہے جو ہجرت کا حکم آنے کے بعد مکہ سے نہ نکلنے والے تھے اور آخر کار نہ نکلے)۔

(۶۳) کفر کی حکومت میں بغیر کسی واقعی مجبوری کے برضاورغبت زندگی بسر کرنا اور اس کے ساتھ تعاون کرنا، یہاں تک کہ اس کا حق وفاداری ادا کرتے ہوئے اسلام کے خلاف بھی نبرد آزما ہو جانا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِىٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ الخ (النساء :۹۷)

(اس آیت کی تشریح اوپر گزر چکی ہے)

(۶۴) ایسے مواقع سے دور رہنا جہاں حق وصداقت کی باتیں ہو رہی ہوں اور اگر وہاں پہلے سے

موجود ہوں تو چپکے سے نظر بچا کر کھسک جانا۔ وَاِذَ امَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ هَلْ يَرٰكُمْ مِّنْ اَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوْا . (التوبة:١٢٧)

(٦٥) دل کا ایسا سخت اور سیاہ اور بے حس ہو جانا کہ قرآنی نصیحتوں کا کوئی اثر نہ ہو بلکہ انہیں قابل نفرت سمجھ کر ان سے اعراض کرنا۔ فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ٥ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ. (المدثر :٤٩۔٥٠)

(٦٦) جماعتی حیثیت سے باہم منتشر رہنا، دلوں کا ایک دوسرے سے پھٹا ہوا ہونا اور بظاہر متحد ہونے کے باوجود باہم دگر کھنچے ہوئے رہنا۔ بَاْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى. (الحشر:١٤)

(٦٧) حرام خوری میں چھوٹ ہو جانا۔ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ ......وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ. (المائدة:٦٢)

(٦٨) وعدہ خلافی کا عادی ہونا۔ اِذَا عَاهَدَ غَدَرَ (بخاری۔ کتاب الایمان)

(٦٩) امانت میں خیانت کرنا۔ اِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (ایضا)

(٧٠) جھگڑتے وقت گالیوں پر اتر آنا۔ اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ (ایضا)

(٧١) جھوٹ بولنا۔ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ (ایضا)

(٧٢) روٹی اور پیٹ ہی کو اپنی توجہات اور مساعی کا مرکز بنانا۔ هَمُّ الْمُنَافِقِ بَطْنُهٗ

(٧٣) دین کے سچے مخلص اور صاحب عزم خدمت گزاروں سے کد رکھنا۔ اٰيَةُ النِّفَاقِ بُغْضُ الْاَنْصَارِ . (بخاری کتاب المناقب)

نفاق کے یہ اعمال، اوصاف اور علامات تمام اقسام منافقین کے اعمال اور کیفیات نفسی پر حاوی ہیں۔ یعنی یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ہر منافق میں یہ علامتیں ساری کی ساری موجود ہوتی ہیں۔ بلکہ کسی منافق کے اندر ان میں سے دو چار ہوں گی تو دوسرے میں دس بیس ہو سکتی ہیں۔ اگر ایک منافق میں بعض علامتیں موجود ہوں گی تو دوسرے میں وہ نہ ہوں گی۔ بلکہ ان کے علاوہ بعض دوسری ہوں گی۔ دراصل ان علامتوں کا وجود ہر صاحبِ نفاق کے ذاتی حالات اور اس کے انفرادی رجحانات نفسیانی پر منحصر ہے۔

☆☆☆

منافق اور گنہگار کا فرق

نفاق کی جن علامات کو ہم اوپر بیان کر آئے ہیں ان کو سامنے رکھ کر بلا تامل ہر اس شخص کو منافق نہ گمان کر لیجئے جس کے اندر ان علامتوں میں سے کوئی ایک علامت کسی وقت بھی نظر آجائے۔ منافقین کی جتنی صفات اوپر بیان ہوئی ہیں ان میں سے اکثر کا سرچشمہ انسان کی کمزوریٔ نفس اور مادیات کی غیر معتدل محبت ہے، اور یہی کمزوری نفس اور غیر معتدل حب دنیا گناہ کا بھی سرچشمہ ہے۔ اس لیے ایک سچے مسلمان سے بھی ان اعمال کا صدور ہر وقت ممکن ہے۔ کیونکہ انبیاء کو چھوڑ کر کوئی انسان بھی خواہ وہ کیسا ہی راسخ الایمان کیوں نہ ہو۔ معصوم نہیں، نفس ہر شخص کے اندر ہے۔ اس لیے ایک مسلمان جہاں اچھے اعمال کرتا رہتا ہے وہاں گناہوں کا ارتکاب بھی اس سے ہوسکتا ہے اور ہوتا رہتا ہے۔ بہت ممکن ہے کہ کسی وقت ایک مسلمان بھی وہی حرکت کر بیٹھے جو منافق کی خصوصیات میں سے ہے لہذا اس جگہ منافق اور گناہ گار مسلمان، دونوں کی پوزیشن اور دونوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔

نفاق کی اس ساری بحث کو پڑھنے کے بعد آپ پر اب یہ امر تو مخفی نہ رہ گیا ہوگا کہ جب ایک منافق اسلامی تعلیمات یا ملی مصالح کے خلاف کوئی حرکت کامیابی کے ساتھ کر گزرتا ہے تو اس کے دل کو کیسی فرحت اور اس کے نفس کو کیسا سرور حاصل ہوتا ہے اور بجائے اس کے کہ اس کا ضمیر اپنی اس شنیع حرکت پر کسی قسم کی گرانی اور ناگواری کا احساس کرے، الٹا اپنی کامیاب "سیاست"

پر فخر کرتا ہے۔ لیکن ایک مسلمان ایسی کوئی حرکت کب اور کیوں کرتا ہے؟ اور پھر اس کے سرزد ہو جانے کے بعد اس کے ضمیر کا حال کیا ہوتا ہے؟ قرآن حکیم اس کا یہ جواب دیتا ہے کہ:۔

وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَۃً اَوْظَلَمُوْآ اَنْفُسَھُمْ ذَکَرُوااللّٰہَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِھِمْ وَمَنْ یَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلاَّ اللّٰہُ وَلَمْ یُصِرُّوْا عَلٰی مَافَعَلُوْا وَھُمْ یَعْلَمُوْنَ. (آل عمران:۱۳۵)

اور (جنت ان متقیوں کے لیے ہے) جو اگر کبھی کوئی برا کام کر گذرتے ہیں یا اپنے نفس پر (گناہ کر کے) ظلم کر جاتے ہیں تو فوراً ہی انھیں اللہ کا خیال آجاتا ہے، پھر وہ اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں اور اللہ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو معاف کرنے والا ہے۔ اور وہ اپنے کیے پر جانتے بوجھتے اصرار نہیں کرتے۔

ایسے ہی گناہ گار مسلمانوں کے متعلق دوسری جگہ آتا ہے کہ:

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْ بِذُنُوْبِھِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَّاٰخَرَ سَیِّئاً عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْھِمْ. (التوبۃ:۱۰۲)

اور (ان منافقوں کے علاوہ جہاد سے پیچھے رہ جانے والے) بعض دوسرے لوگ بھی ہیں جنھوں نے اپنے گناہوں کا (پورے احساسِ ندامت کے ساتھ) اقرار کر لیا ہے۔ ان کے کچھ اچھے اعمال بھی ہیں اور کچھ برے بھی۔ توقع ہے کہ خدا ان کی توبہ قبول کر لے گا۔

ایک تیسری آیت بھی سامنے رکھیے:۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْءَ بِجَھَالَۃٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ وَاَصْلَحُوْآ اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (النحل:۱۱۹)

جن لوگوں سے جذباتِ نفس کے زور میں برائیاں سرزد ہو جاتی ہیں مگر پھر اس کے بعد وہ توبہ کرتے اور اپنی اصلاح کر لیتے ہیں ایسے لوگوں کے حق میں یقیناً تیرا پروردگار اس (توبہ اور اصلاح) کے بعد ضرور بخش دینے والا ہے اور رحم کرنے والا ہے۔

ان تینوں آیتوں پر غور کرنے سے چند باتیں نکلتی ہیں:۔

ایک تو یہ کہ مسلمان سے بھی گناہ سرزد ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے۔

دوسری یہ کہ وہ اگر گناہ کرتا ہے تو "جہالت" کی بناپر یعنی کسی فوری جذبہ نفسانی سے مغلوب ہو کر، نہ کہ سوچ سمجھ کر۔

تیسری یہ کہ ارتکاب گناہ کے بعد اس کا ضمیر مضطرب ہو جاتا ہے۔ خدائے ذوالجلال کی صفت عدل اس کی نگاہوں کے سامنے مجسم ہو کر کھڑی ہو جاتی ہے۔ اس کی جبین ایمانی پر عرق انفعال کے قطرے نمودار ہو جاتے ہیں۔ وہ بغیر کسی توقف کے اپنے گناہ کا اعتراف کر لیتا ہے اور خدا سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے، اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لیتا ہے۔

چوتھی بات جسے اسی تیسری بات کا سلبی پہلو کہنا چاہیے۔ یہ ہے کہ وہ اپنے کسی عمل بد پر قصداً جما نہیں رہتا۔ یعنی یہ نہیں ہوتا کہ وہ مسلسل اس برائی کو کیے جائے اور اسے ترک کرنے کی نہ کوئی سعی کرے نہ اس کے قلب میں کسی واقعی ناگواری اور ندامت کا احساس پیدا ہو، مگر منافق ان تمام صفات سے عاری ہوتا ہے وہ خلاف شرع حرکتوں کو کسی فوری جذبۂ نفس سے مغلوب ہونے کی وجہ سے نہیں کرتا بلکہ پورے شعور اور ارادہ کے ساتھ کرتا ہے۔ وہ شریعت کی خلاف ورزی کو اس کی پابندی پر قصداً ترجیح دیتا ہے اور اس خلاف ورزی کو اپنی عادت بنالیتا ہے شریعت کی پابندی میں بظاہر جو تکلیفیں اور لذتِ نفس سے محرومیاں ہیں اور ان کا موازنہ وہ ان فائدوں اور آسائشوں اور لذتوں سے کرتا ہے جو شریعت کے خلاف ورزی میں نظر آتی ہیں۔ پھر اسکا نفس یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کو پہلی چیز قبول نہیں ہے اور صرف دوسری چیز ہی مطلوب ہے۔ اسی فیصلہ کی بناپر جب وہ خدا کا قانون توڑتا ہے تو اسے شرمندگی کے بجائے فرحت و مسرت ہوتی ہے، اس کے دل میں خوف خدا کا شائبہ تک نہیں آتا۔ نہ استغفار اور توبہ کی طرف کبھی اس کا ذہن منتقل ہوتا ہے۔

یہ ہے بنیادی فرق ایک منافق اور ایک گنہگار مسلمان میں، اور یہی وہ نکتہ ہے جسے نہ سمجھنے کی وجہ سے خوارج نے مطلقاً ہر گناہ کبیرہ کے مرتکب کو کافر قرار دیدیا۔ اس لیے ایمان اور نفاق کا اندازہ لگاتے وقت ہمیں پوری احتیاط برتنی چاہیے اور منافق اور گنہگار مسلمان کے اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔

لیکن منافق اور گنہگار کے اس فرق کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ گناہ اور نفاق بالکل متبائن

حقیقتیں ہیں اور ان میں سرے سے کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔ اس کے برعکس صورت واقعہ یہ ہے کہ اگر گناہ کرنے کے بعد اس پر انسان کو پشیمانی نہ ہو اور وہ اپنی اصلاح کے لیے مضطرب نہ ہو جائے تو یہی گناہ نفاق کی تخم ریزی کر دیتا ہے اور اگر گناہوں کے معاملہ میں اس کی یہ جسارت یوں ہی کام کرتی رہی تو یہ تخم اکھوے نکالتا، نشو و نما پاتا اور پروان چڑھتا ہوا ایک تناور درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے باطن کی پوری فضا اس کی شاخوں اور پتیوں سے ڈھک جاتی ہے۔ یہ کوئی قیاس و گمان کی بات نہیں بلکہ اللہ تعالی کا ایک مستقل قانون ہے جس کے ثبوت کے لیے قرآن حکیم کی یہ آیت بس کرتی ہے:۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ، فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَ تَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ○ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ. الخ (التوبة:٧٥۔٧٧)

ان میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر اس نے انھیں اپنا فضل عطا کیا تو وہ ضرور بالضرور صدقے دیں گے اور صالح مسلمان ثابت ہوں گے لیکن جب اللہ نے انھیں اپنا فضل عطا کر دیا تو انھوں نے پوری بے پروائی کے ساتھ اس میں بخل سے کام لیا نتیجہ میں اس نے ان کے دلوں میں قیامت تک کے لیے نفاق پیدا کر دیا' اس لیے کہ اللہ سے وعدہ کر کے انھوں نے توڑ دیا۔

اسی طرح بیہقی شریف کی ایک حدیث میں ہے:۔

من سمع النداء یوم الجمعة فلم یاتها ثم سمع فلم یاتها ثم سمعه فلم یاتها طبع الله علی قلبه وجعل قلبه قلب منافق.

جس شخص نے جمعہ کی اذان سنی اور نماز کے لیے نہ آیا، دوبارہ سنی مگر پھر نہ آیا، تیسری بار سنی مگر پھر بھی نہ آیا۔ اللہ تعالی اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے اور اس کا دل منافق کا دل بنا دیتا ہے۔

ان نصوص سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ گناہ اور شئی ہے اور نفاق اور چیز، مگر ان دونوں میں ایک زبردست نفسیاتی تعلق بھی ہے۔ یعنی گناہ کسی وقت بھی منافقت کی بیماری پیدا کر سکتا ہے ٹھیک

اسی طرح جس طرح میعادی بخار کے وبائی زمانے میں معمولی بخار کسی وقت بھی میعادی بخار میں تبدیل ہو سکتا ہے۔ اس لیے کسی گناہ کے ہو جانے پر یہ اطمینان ہرگز نہ کرنا چاہیے کہ بس ایک گناہ تھا جو سرزد ہو گیا، بلکہ اس کے خطرناک اثرات سے محفوظ رہنے کی فوری فکر ہونی چاہیے۔ ورنہ کچھ بعید نہیں کہ وہ نفاق کا مرض پیدا کر جائے اور ہمیں اس کی خبر بھی نہ لگے۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ. (الحجرات: ۲)

منافقین کے بارے میں شریعت کے احکام

اب ہمیں یہ معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ منافقوں کے بارے میں شریعت کے احکام کیا ہیں؟۔

منافقین کے بارے میں شریعت نے جو احکام صادر کئے ہیں ان کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک حصہ تو وہ ہے جو آخرت سے متعلق ہے یعنی یہ کہ مالک یوم الدین کل ان کے ساتھ کیا سلوک کرے گا؟ دوسرا حصہ ان کی دنیوی زندگی سے تعلق رکھتا ہے یعنی یہ کہ عام مسلمان انفرادی اور اجتماعی حیثیت سے ان کے ساتھ کیا رویہ اختیار کریں؟

اختلاف درجات کا لحاظ :

اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح اخروی انجام کے لحاظ سے تمام مسلمانوں کے درجات یکساں نہیں ہیں بلکہ ان کے ایمان اور اعمال کے مراتب کے لحاظ سے انھیں مختلف مدارج عطا کیے جائیں گے اسی طرح منافقین بھی سب کے سب ایک درجہ میں نہیں ہیں بلکہ ان کے مراتب نفاق کے اعتبار سے ان کی سزاؤں کے بھی مختلف مدارج قرار دیے جائیں گے۔ جس منافق کے اندر نفاق اپنی پوری شدت کے ساتھ کار فرما ہو گا۔ اس کے عذاب کی کمیت اور کیفیت کچھ اور ہو گی اور جس کے اندر نفاق کی معمولی اور نسبتاً ہلکی خصوصیات ہوں گی اس

کے عذاب کی نوعیت کچھ اور ہو گی۔ اعتقادی منافق جس سزا کا مستحق ہو گا وہ اس سزا سے قطعاً مختلف ہو گی جو عملی منافق کے حصہ میں آئے گی۔ یہی فرق ان احکام میں بھی ملحوظ ہے جو عام مسلمانوں کو منافقوں کے بارے میں دیئے گئے ہیں۔ خود اصول جزاء کا بھی یہی تقاضا ہے کہ مختلف طبقات منافقین کے درمیان یہ فرق ملحوظ رکھا جائے اور قرآن کے بعض اشارات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے مثلاً وہ لوگ جو خدا اور رسول خدا اور آیات قرآن کے ساتھ تمسخر کرتے تھے۔ ان کے متعلق قرآن فرماتا ہے۔

لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ . (التوبة:٦٦)

منافقو! باتیں نہ بناؤ، یقیناً تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا۔ اگر ہم تم میں سے ایک گروہ کو معاف کر بھی دیں تو دوسرے لوگوں کو ضرور عذاب دیں گے کیونکہ وہ (حقیقی اور شعوری) مجرم ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفاق اور وہ منافقانہ رویہ جو جان بوجھ کر اختیار کیا جائے اس کا مقام اور ہے اور جو محض جہالت یا لاپروائی یا ضعف نفس کی بنا پر ہو اس کا مقام اور ہے۔

منافقین کے طبقات:۔ اس نقطہ نظر سے جب ہم عام منافقین کے حالات وصفات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو یہ لوگ کئی طبقات میں بٹے دکھائی دیتے ہیں لیکن اصولی اور بنیادی طور سے ان کو دو ہی طبقوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:۔

ایک تو وہ اشرار ازلی ہیں جو اسلام اور کفر دونوں کی حقیقت، دونوں کے نظریات اور دونوں کے حیاتی نصب العین سے بخوبی واقف تھے اور اس واقفیت کے بعد ان کا دل اسلام سے پوری طرح برگشتہ اور کفر اور کافرانہ نظریات ہی کا عقیدت کیش تھا۔ لیکن اس کے باوجود ان کے کچھ مصالح تھے جو انھیں مجبور کیے ہوئے تھے کہ اسلام سے علانیہ بے تعلقی کا اظہار نہ کریں بلکہ منافقت کے لباس میں اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کریں۔ یعنی وہی اعتقادی منافقین۔

دوسرا طبقہ ان لوگوں کا ہے جو گو حالت نفاق میں گرفتار تھا لیکن ان کا باطن اتنا زنگ آلود نہ تھا جیسا کہ مقدم الذکر طبقہ کا تھا۔ ان کا نفاق یا تو شرح صدر کی نعمت سے محرومی کا نتیجہ تھا، یا پھر ان کے نفس کی کمزوریوں نے انھیں منافقین کی صف میں لا کھڑا کیا تھا۔ اگرچہ یہ لوگ کفر کی بہ

نسبت اسلام سے قریب تر تھے اور اندر سے بھی اپنے آپ کو مسلمانوں ہی میں سمجھتے تھے اور مسلمان ہونا انھیں پسند تھا مگر ان کے اسلام میں اتنی قوت نہ تھی کہ اپنے اصول اور مسلک کی خاطر جسے وہ حق کہتے اور حق سمجھتے تھے، ضرورت پڑنے پر اپنے مادی علائق، اپنی طبعی لذات اور اپنے دنیوی مصالح کو قربان کر سکتے۔ یعنی وہی عملی منافقین ۔

احکام آخرت:۔ اب دونوں گروہوں کے بارے میں ان کے اختلاف مدارج کے لحاظ سے جو مختلف احکام بیان کیے گئے ہیں، ان پر غور کیجئے۔ پہلے اخروی احکام کو لیجئے یعنی یہ دیکھئے کہ ان لوگوں کا آخرت میں کیا حشر ہوگا؟

(ا) پہلے طبقہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ.

(التوبة: ۵۳)

اے پیغمبر! ان منافقوں سے کہہ دو کہ خواہ تم خوشی سے صدقہ دو یا زبردستی (خدا کے ہاں بہرحال) ہرگز مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ تم دانستہ نافرمانی کرنے والے لوگ ہو۔

معلوم ہوا کہ منافقوں کا کوئی عمل خدا کے حضور میں مقبول نہ ہوگا، کیونکہ یہ لوگ بظاہر جو کچھ بھی اسلامی طرز کے اعمال کرتے ہیں وہ جذبہ ایمانی کے تحت نہیں کرتے بلکہ صرف دکھاوے کے لیے کرتے ہیں۔ ان کے دلوں میں تو ایمان کی روشنی کا گذر ہی نہیں۔ وہاں تو فسق جو ضدِ ایمان ہے — کی تاریکی چھائی ہوئی ہے۔ یہ گمان نہ ہو کہ اس آیت میں تو صرف ان کے صدقات ہی کے نامقبول ہونے کا ذکر ہے، اس لیے بہت ممکن ہے کہ دوسرے اعمال کا یہ حشر نہ ہو، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ فسقِ باطن کی جو آگ ان کے صدقات کو کھا جائے گی وہی ان کے ایک ایک عمل کو خاکستر بنا کر رکھ دے گی۔

حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ . (المائدة: ۵۳)

ان منافقوں کے تمام اعمال اکارت ہو گئے اور وہ سراسر گھاٹے میں رہے۔

پھر اس حبط عمل کا نتیجہ جو ہونا چاہیے وہ محتاج بیان نہیں:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ (التوبة: ۶۸)

اللہ تعالی نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کفار سب سے نار جہنم کا وعدہ کررکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ ان کے لیے بالکل کافی ہے خدا نے ان پر لعنت کردی ہے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔

کفار اور منافقین دونوں کے لیے نار جہنم کی سزا تو ضرور ہے لیکن داور دو جہاں فرماتا ہے کہ منافقین کا "مقام" کافروں سے بھی بہت آگے ہے:۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء: ۱۴۵)

بے شک منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

اور یہ "قید بامشقت" کی امتیازی سزا بالکل تقاضائے عدل ہے۔اک ذرا تامل کرنے سے کفر کے مقابلہ میں جرم نفاق کی سنگینی بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ جہاں تک اعتقادی منافقین کی دونوں قسموں میں سے پہلی قسم کا تعلق ہے، اس کا یہ انجام اس لیے ہوگا کہ وہ عام کفار کے مقابلہ میں حق کیلئے زیادہ خطرناک ہے اور بدخواہ دشمن ہے۔ باقی رہی دوسری قسم تو وہ بھی کھلے مخالفین اسلام سے بہر حال خطرناک تر ہی ہے علاوہ ازیں کافر کے اندر ساری کج رویوں اور گمراہیوں کے باوجود ضمیر ہوتا ہے اور اس ضمیر میں خودی اور خودداری کی روح ہوتی ہے، وہ اپنے مسلک کو حق سمجھ کر اس پر اڑ جاتا ہے، اور اس کے خلاف ہر آواز کو باطل یقین کر کے اس کا دشمن بنتا ہے۔ مگر یہ بدبخت اور ننگ انسانیت منافق اس ایک خوبی سے بھی محروم ہوتا ہے، نفس پرستی کے سوا اس کا کوئی مسلک ہی نہیں ہوتا۔وہ مادیات کے عشق میں اپنے ضمیر کو بالکل پست، بے حس اور ذلیل بنالیتا ہے اور اس پوری تیاری کے ساتھ خدا کے حضور میں جاتا ہے کہ "درک اسفل" کے سوا کسی اور جگہ رہنے کے قابل ہی نہیں ٹھیرتا۔

یہ عذاب ان کے لیے لازمی ہے۔ اس قضائے مُبرم کو کوئی شے ٹال نہیں سکتی۔ خدا کے نزدیک اپنے حبیبؐ سے بڑھ کر کوئی مقبول نہیں، لیکن اس کی دعائیں بھی یہاں کچھ نہیں کر سکتیں:۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ . (التوبة:۸۰)

اے پیغمبر تم ان منافقوں کے لیے خواہ دعائے مغفرت کرو یا نہ کرو۔(ایک نہیں) اگر ستر بار بھی تم ان کے لیے مغفرت چاہو جب بھی خدا انہیں ہرگز بخشنے کا نہیں۔

(۳) دوسرے طبقہ کے انجام سے متعلق اللہ رب العزت نے ہمارے سامنے کوئی واضح اور طے شدہ فیصلہ نہیں رکھا ہے۔ لیکن اتنا تو اس نے کھول کر کہہ دیا ہے کہ وہ دوزخ کا عذاب ضرور چکھیں گے۔ مثلاً ان ضعفاء کے بارے میں جو ہجرت نہ کر سکے تھے اور کفار کی طرف سے لڑتے ہوئے معرکۂ بدر میں مارے گئے تھے۔ اس نے فرمادیا ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰاهُمْ جَهَنَّمُ (ان کا ٹھکانا جہنم ہے) اس لیے اتنی بات تو قطعی ہے کہ اس طبقہ کو بھی دوزخ کی ہولناکیوں سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا۔ اگر وہ توبہ اور اپنی اصلاح احوال کر کے اللہ کے یہاں حاضر نہ ہوا ہوگا۔ اس ناگزیر انجام سے انھیں نہ تو یہ عذر بچا سکے گا کہ ہمیں ایمان کی صحیح کیفیت اور اس کے مقتضیات کا علم نہ تھا اور نہ یہ عذر کچھ کام آسکے گا کہ ہم اسلام کے منکر اور بدخواہ اور دشمن نہ تھے۔ خدا کی عدالت دوٹوک فیصلہ کرے گی اور اس ضعف ایمانی اور جہالت و بے یقینی کا انجام بھی ظاہر ہو کر ہی رہے گا۔ ہاں طبقہ اولیٰ کے مقابلہ میں ان کی سزا بہر حال ہلکی ہو گی۔ ان کے لیے درک اسفل نہ ہو گا۔ نہ ان کے متعلق قرآن نے ملعونیت کی وعید سنائی ہے اور نہ اس امر کا اظہار کیا ہے کہ وہ...... طبقہ اولیٰ کی طرح دوزخ میں ابد تک رہیں گے۔ پھر ان کی سزاؤں کا اندازہ کیا ہے؟ اس کی صحیح تعیین کس طرح کی جائے؟ یہ سوال ہمارے طے کرنے کا نہیں۔ مالک یوم الدین کی حکمت رحمت اور عدالت ہی اسے طے کرے گی۔ بندہ کو تو بہر حال اس کی تمام صفات میں سے صرف اس کی صفت رحمت ہی کے دامن کو پکڑنا چاہیے۔ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا. (المؤمن: ۷)

احکام دنیا:

ان کی اخروی زندگی کا تو حشر یہ رہا۔ آیئے اب یہ دیکھیں کہ اہل ایمان کو ان منافقوں کے ساتھ دنیا میں کس طرح پیش آنا چاہیے؟ اور ان کے ساتھ امت مسلمہ کے سیاسی معاشی اور عمرانی تعلقات کی نوعیت کیا ہونی چاہیے؟ تو جیسا کہ عرض کیا جا چکا، اخروی احکام کی طرح دنیوی احکام کے لحاظ سے بھی دونوں طبقوں کی نوعیت جداگانہ ہے:۔

(۱) پہلے طبقہ (اعتقادی منافقین) کے بارے میں قرآن مجید کا بنیادی نقطہ نظر یہ ہے کہ مومن تو اللہ کی پارٹی ہیں۔ لیکن یہ منافق شیطان کی پارٹی ہیں۔ اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطَانِ

(المجادلۃ: ۳)اس لیے یہ خواہ لاکھ اظہار ایمان کریں، ملت اسلامیہ یعنی حزب اللہ سے ان کا کوئی ربط نہیں، یہ کبھی ملت میں شمار نہ کیے جائیں:۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ (التوبۃ:۵۶)

اور یہ منافق قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ وہ یقیناً تمہاری جماعت میں ہیں حالانکہ وہ (قطعاً)تم میں سے نہیں۔

بلکہ: هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ (المنفقون:۴)

یہ منافق تمہارے پکے دشمن ہیں، ان سے خبردار رہو۔

پھر اس فاحذرھم کی عملی صورت یہ بتائی گئی ہے کہ:۔

فَلاَ تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ...... وَلاَ تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلاَ نَصِيْرًا.

(النساء :۸۹)

توان منافقوں میں سے کسی کو اپنا دوست اور ساتھی نہ بناؤ۔ اور نہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست ٹھیراؤ نہ مددگار۔

یعنی ان لوگوں سے کامل علیحدگی اختیار کرلینی چاہیے۔ انھیں اپنے معاشرتی، انتظامی، تعلیمی اور سیاسی معاملات سے بالکل دور رکھنا چاہیے اور ان کا مکمل بائیکاٹ کر کے اپنی جماعت سے الگ کر دینا چاہیے۔ اس بائیکاٹ میں کسی مداہنت کو راہ نہیں دی جاسکتی خصوصاً سیاسی معاملات میں نہ تو ان سے کوئی مشورہ لیا جاسکتا ہے، نہ اپنی ملت کے اسرار سے انھیں آگاہ کیا جاسکتا ہے۔ رہا کسی معاملہ میں ان حضرات کی قیادت اور رہنمائی قبول کرنے کا سوال، تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ آں حضرتؐ کو اور آپ کے ذریعہ سارے اہل ایمان کو بار بار متنبہ کرتا ہے کہ:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلاَ تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (الاحزاب:۱)

اے نبی! اللہ سے ڈرو اور ان کافروں اور منافقوں کا کہنا مانو۔

پھر گذشتہ آیت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کو نہ صرف یہ کہ اپنا ہمراز و دمساز (ولی) نہ بنانا چاہیے بلکہ ان کی مدد بھی قبول نہ کرنا چاہیے خواہ نصرت واعانت کی کتنی ہی ضرورت کیوں نہ ہو۔ جہاد کا وقت سب سے سخت وقت کہا جاسکتا ہے۔ لیکن حکم ہے کہ جو لوگ عملاً موقع پرست، منافق اور دشمن دین ثابت ہو چکے ہیں انھیں کسی جہاد میں عام مسلمانوں کے ساتھ شریک نہ کیا جائے کیونکہ اگر ان کی

شرکت سے بظاہر مسلمانوں کی جمعیت بھاری اور ان کی قوت زیادہ نظر آئے گی لیکن دراصل ان کی شرکت مفاد اسلام کے حق میں زہر ہو گی۔ وہ میدان جہاد میں بھی اپنی شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے باز نہ آئیں گے۔ اور اسلامی جماعت کی کمزوری اور پراگندگی ہی کا سبب بنیں گے۔ لَوْخَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّازَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًاوَّلَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ (التوبة: ۴۷) چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جو غزوہ تبوک کے سخت آلام و مصائب کا اندازہ کر کے گھر بیٹھ رہے تھے، حکم صادر کیا کہ:۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِىَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ. (التوبة: ۸۳)

اے نبی! اگر اللہ تعالیٰ تمہیں زندہ وسلامت ان منافقوں کے کسی گروہ میں واپس لے جائے اور یہ آئندہ کسی موقع پر جنگ کے لیے نکلنے کی اجازت مانگیں تو ان سے کہنا کہ تم میرے ساتھ کبھی بھی نہ چلنے پاؤ گے۔ تم نے پہلی مرتبہ (میرے ہم راہ جنگ کے لیے چلنے کے بجائے) گھر بیٹھ رہنے کو پسند کیا تو اب بھی پیچھے رہنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

ان سے الگ تھلگ رہنے میں اتنی شدید احتیاط برتنی چاہیے کہ اگر کبھی ان کی طرف سے بظاہر کسی نیک کام کی تحریک ہو تو اس سے بھی تعاون نہ کیا جائے۔ اور اگر اس ''نیک'' کی تہہ میں کوئی شیطنت جھلکتی نظر آ جائے تب تو اس کی تمام تر ظاہری خوبیوں اور چمک دمک کے باوجود اس کی علی الاعلان سخت مخالفت کرنی چاہیے۔ غور فرمائیے مسجد کی حرمت مسلمان کی نگاہ میں کتنی زیادہ ہے۔ اور اس کو بنانے اور آباد کرنے کی سعی کتنی مشکور و محمود؟ مگر جب شیطان کے ایجنٹوں نے اس مقدس اور محترم شئے کو اپنا آلۂ کار بنانا چاہا اور نیکی واحسان کے بڑے بڑے دعووں کے ساتھ مسجد قبا کے مقابلے میں ایک اور مسجد بنا کر کھڑی کر دی تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مٹی اور پتھر کی اس عمارت کو جسے یہ منافق مسجد کہتے ہیں۔ نیکی کا مرکز نہ سمجھنا۔ یہ نام نہاد مسجد تو شر کا مجسمہ ہے جس کی بنیادیں عداوت حق کے جذبات پر اٹھائی گئی ہیں جس کی تعمیر غضب الٰہی کی زمین پر ہوئی ہے اور جس کا رخ ٹھیک باب جہنم کی طرف ہے۔ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ ......اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ

عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ..... (التوبۃ: ۱۰۹) اس لیے مسجد کے نام اور اس کے احترام و تقدس کے دھوکے میں نہ آؤ۔ تمھیں اس سے کسی قسم کا تعلق نہ ہونا چاہیے یہاں تک کہ اس میں تم کو کبھی نماز بھی نہ پڑھنی چاہیے۔ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا.

اس ترکِ تعلق کی آخری حد یہ ہے کہ ایسے منافقوں کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کے دعائے مغفرت کرنے سے بھی نبی کو منع کر دیا گیا۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّ لَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (التوبۃ: ۸۴)

اور ان منافقوں میں سے اگر کوئی مر جائے تو کبھی اس کی نماز جنازہ نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر (دعائے مغفرت کرنے کے لیے) کھڑے ہونا۔

اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے آنحضرت ﷺ منافقوں کی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی جیسے منافق کی بھی آپؐ نے نماز جنازہ پڑھی. اسی موقع پر یہ حکم آیا اور اس کے آنے کے بعد آپؐ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی۔

یہاں تک جو احکام بیان ہوئے ان کی نوعیت منفی قسم کی ہے، اور یہ اس پورے طبقے کے یعنی ان تمام منافقین کے حق میں نافذ ہوں گے جو اسلام اور کفر دونوں کی ماہیت سمجھنے کے بعد کفر کی عقیدت اور پیروی اختیار کریں اور خفیہ یا علانیہ اسلام کے مقابلہ میں کفر کو تقویت دیں۔ اور اس کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے رہیں۔ خواہ ان کے نفاق کا محرک اصلی کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ رہا مثبت احکام کا سوال یعنی یہ بات کہ ان سے الگ تھلگ ہو رہنے اور انھیں اپنی جماعت سے عملاً خارج کر دینے کے بعد ان کے ساتھ اثباتی طرز عمل کیا اختیار کیا جائے گا؟ تو قرآنی احکام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس لحاظ سے اس طبقہ کے منافقوں میں تفریق کی جائے گی۔ اگرچہ اپنی باطنی خباثت، اپنے مخفی کفر اور اپنی اسلام دشمنی کے لحاظ سے تو یہ سب ایک ہی جماعت ہیں۔ لیکن جس طرح تمام کفار اپنے مشرکانہ عقائد اور کافرانہ اعمال کے لحاظ سے ایک ملت ہونے کے باوجود دو مختلف حیثیتیں رکھتے ہیں۔ بعض تو کھلے دشمن (محارب) قرار پاتے ہیں اور ان سے کسی قسم کا ربط و ضبط روا نہیں، اور بعض ایسے نہیں ہوتے بلکہ ان سے عام معاشرتی تعلقات رکھنے اور حسن سلوک سے پیش آنے کی اجازت ہے۔ اسی طرح اس طبقہ کے منافقین میں بھی فرق مراتب ہے:۔

ایک تو وہ منافقین ہیں جو اسلام دشمنی میں حد سے بڑھے ہوئے ہوں۔ ان کی ساری سرگرمیاں اسلام کی بیخ کنی کے لیے وقف ہوں اور وہ کفر واہل کفر کی علی الاعلان یا پوشیدہ طور سے وفادارانہ خدمات بجالا رہے ہوں۔

ان کے متعلق شروع میں اللہ تعالیٰ نے صرف یہ تنبیہہ نازل کی تھی کہ:۔

لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّ الْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلاً مَّلْعُوْنِيْنَ اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَ قُتِّلُوْا تَقْتِيْلاً. (الاحزاب: ۶۱-۶۰)

اگر یہ منافق اور وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے، اور مدینہ میں جھوٹی افواہیں اڑانے والے، اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو اے پیغمبر! ہم تمہیں ان کے خلاف ایک دن ضرور بھڑکادیں گے پھر وہ مدینے کے اندر تمہارے پڑوس میں چند دن سے زیادہ ٹھہرنے نہ پائیں۔ ہر طرف ان پر پھٹکار پڑرہی ہوگی اور جہاں ملیں گے پکڑ کر بری طرح قتل کیے جائیں گے۔

کچھ مدت گذرنے پر یہ تنبیہہ اور تہدید اس حکم واقعی کی شکل میں نافذ کر دی گئی:۔

فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا. (النساء: ۹۱)

اگر یہ فتنہ پرداز منافق تم سے کنارہ کش نہ رہیں نہ تمہیں صلح و آشتی کا پیغام دیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو روکیں تو انھیں پکڑو اور قتل کرو، جہاں بھی ملیں اور (منافقوں میں سے) یہی وہ گروہ ہے جس کے خلاف ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ. (التوبة: ۷۳)

اے نبی! کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔

گویا اس قسم کے منافق محارب ہیں اور ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا جائے گا جو برسر جنگ کفار کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

دوسرے وہ منافق ہیں جو اگرچہ اسلام کے نہ عقیدت مند ہوں نہ بہی خواہ، مگر اس سے ان کی مخالفت عملاً اس طرح نہ ظاہر ہوتی ہو جس طرح کہ پہلے گروہ کی ظاہر ہوتی ہے اور نہ وہ اسلام کے دشمنوں کی اعانت کرتے ہوں۔ ان کے معاملہ میں اگرچہ بائیکاٹ اور عدم موالات کے ان تمام منفی احکام پر عمل کیا جائے گا جن کا اوپر ذکر ہوا لیکن انھیں محارب نہ قرار دیا جائے گا اور نہ ان کے خلاف جہاد کیا جائے گا جیسا کہ خود مذکورہ بالا آیات کے انداز بیان سے مستنبط ہوتا ہے کیونکہ منافقوں کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیتے ہوئے ایک شرط بھی عائد کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ لئن لَمْ يَنْتَهِ (اگر یہ منافق اپنی سرگرمیوں سے باز نہ آئے) اور یہ کہ فَإِنْ لَمْ يَعْتَزِلُوكُمْ وَ يُلْقُوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَ يَكُفُّوْآ اَيْدِيَهُمْ (النساء: ۹۱) (اگر یہ تمہاری مخالفت نہ چھوڑیں اور تم سے صلح کے طالب نہ ہوں اور تمہارے مقابلہ سے اپنے ہاتھوں کو نہ روکیں) جس سے معلوم ہوا کہ ان کے خلاف جنگی پالیسی اسی وقت اختیار کی جائے گی جب وہ خود اسلام کی عملی مخالفت کریں۔ اس کے علاوہ ایک مستقل آیت میں اسی طرح کے منافقوں کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ:۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَافِىْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلاً ۢ بَلِيْغًا. (النساء: ۶۳)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کے راز اللہ خوب جانتا ہے۔ پس اے پیغمبر ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ انہیں (ان کے انجام سے ڈرا کر) نصیحتیں کرو اور دل نشیں پیرائے میں سمجھاؤ۔

اس آیت سے دونوں گروہوں کا فرق اور زیادہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ عداوت اسلام میں سرگرمی نہ دکھانے والے منافقوں سے صرف چشم پوشی ہی نہ کی جائے گی بلکہ انھیں نصیحتیں بھی کی جائیں گی۔ کیونکہ اصلاً اسلام ایک دعوت خیر ہے، پیام جنگ نہیں ہے۔ اس لیے وہ امکان سعی کی آخری حد تک جانے کا حکم دیتا ہے۔ پس جس رحمت دو عالم نے پتھروں کی بارش اور تلواروں کے سایہ میں بھی اپنی داعیانہ حیثیت کو کبھی فراموش نہیں کیا اسے ان منافقوں کو اخلاص و صداقت کی طرف برابر بلاتے ہی رہنا چاہیے تھا تا آنکہ امکان کامیابی کی آخری آس بھی ٹوٹ جائے، جیسا کہ پہلے گروہ کا حال ہوتا ہے۔ لیکن اس وعظ و پند کا اور ان کی نفاق پروری سے صرف نظر کر لینے کا جو حکم دیا گیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ لوگ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ کی

حدود سے باہر ہیں یا لَاتُطِعِ الْکٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ کے حکم سے مستثنٰی ہیں یا لَاتَتَّخِذُوْا مِنْھُمْ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا کی تنبیہ سے خارج ہیں۔ یہ ہیں تو بہر حال طبقہ اول ہی کی شاخ لہذا سوشل بائیکاٹ کے احکام وہدایات کے سلسلہ میں تو یہ سرگرم عناد منافقوں کے ساتھ ہی رکھے جائیں گے۔ فرق صرف اتنا ہے فَخُذُوْھُمْ وَاقْتُلُوْھُمْ کی زد ان پر نہیں پڑتی، اور افہام وتفہیم کا دروازہ بھی ان کے لیے کھلا رکھا گیا ہے۔ باقی ہر حیثیت سے عام مسلمانوں کو اس قسم کے منافقوں کے ساتھ عدم موالات کی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہونا چاہئے جس کی توضیح سطور بالا میں کی جا چکی ہے۔ اگر مسلمان ایسا نہ کریں گے تو خدا کی سنت کے مطابق نفاق، کور باطنی اور بے ضمیری کا زنگ آہستہ آہستہ ان کے آئینۂ قلب پر بھی چڑھنے لگے گا اور ایک وقت آئے گا کہ ایمان کی ساری روشنی اس کے نیچے مستور ہو جائے گی۔

(۲) دوسرے طبقہ (عملی منافقین) کے بارے میں اگر چہ قرآن نے زیادہ تفصیلات نہیں دی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ایک بنیادی اصول اس نے ایسا بیان کر دیا ہے جو ضروری تفصیلات کے سلسلہ میں رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ جو لوگ ایمان کا دعوی تو کر چکے تھے لیکن جب ہجرت کا موقع آیا تو وہ اس قربانی کے راستہ میں پیچھے رہ گئے۔ ان کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے کہ:

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یُھَاجِرُوْا مَالَکُمْ مِّنْ وَّلَایَتِھِمْ مِنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُھَاجِرُوْا وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ فَعَلَیْکُمُ النَّصْرُ اِلاَّ عَلٰی قَوْمٍ بَیْنَکُمْ وَبَیْنَھُمْ مِیْثَاقٌ. (الانفال : ۷۲)

جو لوگ ایمان تو لائے لیکن انھوں نے ہجرت نہ کی ان کی ولایت سے تمہارا کوئی تعلق نہیں جب تک کہ وہ بھی تمہاری طرح ہجرت نہ کریں۔ ہاں اگر دین کے معاملہ میں وہ تم سے مدد کے طالب ہوں تو تم پر ان کی مدد فرض ہے بشرطیکہ مدد کسی ایسی قوم کے خلاف نہ ہو جس سے تمہارا کوئی معاہدہ ہو چکا ہو۔

اس ارشاد قرآنی میں ان کی حیثیت بالکل بے نقاب کر دی گئی ہے، یعنی یہ کہ ''حزب اللہ'' (ملت اسلامی) کے باضابطہ ممبر وہ بھی نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح جس طرح کہ پختہ کار منافق نہیں ہو سکتے۔ نیز عام مسلمانوں میں اور ان میں ''موالات'' کا رشتہ نہیں، جس طرح کہ پہلے طبقہ کے ساتھ ان کا کوئی ''رشتہ موالات'' نہیں۔ لیکن اس اشتراک لفظی کے اندر بھی اختلاف معنی کی جھلک موجود ہے اور آیت کے مختلف ٹکڑے صاف بتا رہے ہیں کہ اس عدم موالات میں اور اس

قطع تعلقات میں جس کا طبقہ اولی کے منافقوں کے بارے میں حکم ہوا ہے، بہت بڑا فرق ہے۔ یہ حق ہے کہ وہ بھی باضابطہ حزب اسلامی میں شمار نہیں ہوں گے، بعینہ اسی طرح جس طرح کہ طبقہ اولی کے منافقین ملت کے رکن نہیں سمجھے جاسکتے۔ لیکن اس کے باوجود ان کی طرح قانونی طور پر انھیں ملت کفر میں نہیں سمجھا جائے گا نہ ان پر سختی کی جائے گی، نہ ان سے قتال کیا جائے گا، نہ انھیں قتل اور گرفتار کیا جائے گا۔ بلکہ اگر وہ ان کفار کے خلاف جن کے نرغہ میں وہ گھرے ہوئے ہوں امداد طلب کریں اور اس امداد کے ذریعہ حلقۂ کفر سے اپنے کو نجات دلانا اور حقیقی اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے آزاد ماحول پیدا کرنا چاہیں تو حزب اسلامی پر ان کی اعانت فرض ہے، بشرطیکہ کافروں کی وہ قوم جس کے خلاف یہ ضعفائے ایمان مدد مانگ رہے ہیں، ملت اسلامیہ کی معاہد قوم نہ ہو۔

اسی طرح عام انسانی سلوک اور حسن معاشرت کے لحاظ سے یہ لوگ بہت زیادہ توجہ اور ہمدردی کے مستحق ہیں، اور مسلمانوں کا اخلاقی فرض ہے کہ وہ ان پاشکستہ اور کم ہمت انسانوں کو جو ایمان کی صبر آزما گھاٹیوں میں تھک کر بیٹھ گئے ہوں، ہر ممکن سہارا دیں، انھیں ایمان کے مقتضیات سے بار بار آگاہ کریں۔ وعظ و پند کے ذریعہ انھیں ان کی زندگی کا حقیقی مشن اور انسانیت کا فرض منصبی یاد دلائیں، ضعف ایمان کے دنیوی اور اخروی خسران سے ڈرائیں۔ یہی حکمت عملی قرآن حکیم نے ان کے متعلق اختیار کی تھی۔ اس نے کبھی بھی ان سے لڑنے بھڑنے یا انھیں قتل کرنے یا ان سے یکسر تعلقات منقطع کر لینے کی تلقین نہیں فرمائی۔ بلکہ جب کبھی ان کو اس نے مخاطب کیا، ہر مرتبہ انھیں عذاب آخرت کی ہولناکیاں یاد دلا کر متنبہ کیا کہ اس حالت سے، جو حالت نفاق ہے، نکلو اور پوری طرح شیوہ تسلیم و رضا اختیار کرو، ورنہ دوزخ کی سختیاں جھیلنے کے لیے آمادہ رہو۔ چنانچہ یہی آیت جس میں مکہ سے ہجرت نہ کرنے والے ضعفاء کا ذکر ہے۔ اس میں ان کے انجام کے متعلق قرآن نے صرف اتنا ہی کہہ کر خاموشی اختیار کر لی ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ (ان کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا) اس کے آگے اس نے کچھ نہیں کہا۔ لیکن اسی جگہ اگر اعتقادی منافقوں کا تذکرہ ہوتا تو صرف اسی وعید پر اکتفانہ کی جاتی، بلکہ مسلمانوں کو حکم دیا جاتا کہ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ (ایسے لوگوں کو پکڑ پکڑ کر قتل کرو) جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ (کفار اور منافقین سے جہاد کرو اور ان پر سختی کرو)

اور یہ جو انھیں بار بار عذاب قیامت سے ڈرایا جاتا تھا تو اس کی حکمت یہی تھی کہ جن کے دلوں میں ایمان کی روشنی ہو وہ کفر کی تاریکیوں سے پورے پورے باہر نکل آئیں اور ہمہ تن مسلم بن جائیں۔اور ایمان میں جو بنیادی خامی رہ گئی ہے۔آخرت کے ہولناک تصور سے وہ دور ہو جائے۔ یہی حکمت اصلاح و تبلیغ آج بھی سچے مسلمانوں کو اختیار کرنی چاہیے۔ہاں یہ احتیاط رہے کہ مَالَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ کے تقاضے نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائیں، جو بے شمار حکمتوں اور دانائیوں کے حامل ہیں۔ باوجود ہر طرح کی ہمدردی اور شدت اعتناء کے یہ لوگ اس کے سزاوار ہر گز نہیں ہیں کہ انھیں حزب اللہ کا رکن سمجھا جائے اور انھیں وہی جماعتی اور سیاسی حقوق دیئے جائیں جو حقیقی مسلمانوں کا حصہ ہیں، نہیں، نہ تو امت کے جماعتی حقوق سے یہ لوگ مستفید ہو سکتے ہیں، نہ انھیں نظم و نسق ملیّ میں کسی طرح شریک بنایا جاسکتا ہے۔اور نہ جماعتی رموز و مصالح کے بارے میں ان پر اعتماد کیا جاسکتا ہے اور ان میں سے کسی کو ملت کا قائد بنانے کا تو اس وقت تک تصور بھی نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ ملیّ ہلاکت کے محضر نامے پر دستخط نہ کر دیئے جائیں۔

دورِ حاضر اور نفاقِ عقیدہ وعمل

نفاق سے متعلق یہ ساری بحثیں یا تو اصولی حیثیت رکھتی ہیں، یا پھر ایک ایسی گزری ہوئی داستان کی جو تیرہ ساڑھے تیرہ سو برس پرانی ہو چکی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان کا ہماری زندگی سے براہ راست کیا واسطہ ہے؟ بہ الفاظ دیگر کیا دور نبوی کے بعد بھی عملا نفاق پایا جا سکتا ہے، جو اِن سارے اصولی مباحث اور گزرے ہوئے مباحث کو ہمیں نگاہ میں رکھنے کی ضرورت ہو؟ یہ ایک اہم سوال ہے۔ کیوں کہ اگر اس کا جواب اثبات میں ہے، تب تو یہ ساری بحثیں ہمارے لیے مفید اور ضروری ہیں۔ ورنہ بصورتِ دیگر ان کی حیثیت بس ایک تاریخی اور علمی بحث سے زیادہ کچھ نہیں۔ جس کو پڑھ کر ہم یہ تو جان سکتے ہیں کہ دور نبوت میں کافر و مسلم کے سوا ایک عجیب و غریب تیسری قسم بھی انسانوں کی موجود تھی جس کا نام ''منافق'' تھا۔ اور اس کے اندرونی چہرے کے خدوخال یہ تھے، لیکن ہماری عملی زندگی کو اس بحث سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا اس لیے اس سوال کی اہمیت معمولی نہیں، بلکہ فی الواقع یہ سوال اور اس کا جواب ہماری پوری بحث کا حاصل ہے لہذا ضروری ہے کہ اس پر اچھی طرح غور کر لیا جائے۔

اس سوال کے تین ہی جواب ممکن ہیں:۔

۱۔ دورِ نبوت کے بعد کسی نفاق کا وجود ممکن نہیں۔

۲۔ نفاق عمل تو پایا جا سکتا ہے مگر نفاق عقیدہ نہیں۔

۳۔ دونوں قسم کے نفاق موجود ہو سکتے ہیں۔

پہلا جواب اتنا غیر معقول ہے کہ آج تک کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہو سکا۔

دوسرے جواب کو ایک بہت بڑی تعداد تسلیم کرتی ہے۔ مگر یہ دراصل اس کی اس غلط فہمی کا نتیجہ ہے جو محرکات نفاق کے جائزے میں اس کو لاحق ہوئی۔ اس کا کہنا یہ ہے کہ لوگ نفاق عقیدہ کی قبائے مکر صرف اس وقت اوڑھتے تھے جب اسلام ایک بااقتدار قوت بھی تھا اور اس کی حدود فرماں روائی میں غیر مسلم ہونے کے معنی یا تو یہ تھے کہ آدمی جزیہ گذار ذمّی بن کر رہے یا پھر یہ کہ وہ اپنے جانی حقوق سے محروم ہو جائے۔ لیکن جب سے اسلام کی اس پوزیشن میں عملاً فرق آگیا ہے غیر مسلموں کی یہ "مجبوری" ختم ہو چکی ہے اس لیے اب اعتقادی منافقت کا کوئی سبب موجود ہی نہیں رہا کہ لوگ اس میں مبتلا ہوں۔ یہ رائے درست قرار دی جاسکتی تھی اگر یہ ایک امر واقعہ ہوتا کہ اعتقادی منافقت کا یہ ایک سبب اور محرک ہو سکتا ہے مگر جب حقیقت کی شہادت اس کے خلاف ہے اور یہ اسباب و محرکات متعدد ہیں، جیسا کہ ابتداء میں ہم تفصیل کے ساتھ بتا چکے ہیں، تو صرف ایک سبب کے ختم ہو جانے سے یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ اب نفاق عقیدہ کا امکان ہی فوت ہو گیا۔ شیطان کے بیسیوں ہاتھوں میں سے اگر ایک ٹوٹ بھی گیا تو کون ہوشمند اسے اس وقت اپاہج گمان کر لے گا؟ اس حقیقت کے پیش نظر یہ تو ضرور کہا جاسکتا ہے کہ اعتقادی منافقین کی فلاں خاص قسم اسلام کے اس دور غربت میں نہیں پائی جاسکتی، لیکن یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ اب سرے سے ان کی فصل ہی اگنی بند ہو گئی ہے۔

غرض تیسرا جواب ہی مذکورہ بالا سوال کا صحیح جواب ہے۔ یعنی امت جس طرح اعتقادی اور عملی دونوں طرح کے منافقوں سے عہد نبوی میں محفوظ و مامون نہیں تھی اسی طرح آج بھی نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ نفاق کی حقیقت اور اس کی اقسام بیان کرنے کے بعد جس کو ہم دوسرے باب میں نقل بھی کر آئے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

نفاق اول بعد آں بعد حضرت ﷺ نتواں دانست کہ از قبیل علم غیب است و بر مرکوز قلب اطلاع نتواں یافت۔ و نفاق ثانی کثیر الوقوع لاسیما در زمان ما۔ و اشارہ بہ ہمیں نفاق است آنچہ در حدیث آمد "ثلاث من کن فیه کان منا فقا خالصا اذاحدث کذب واذا وعداخلف

واذاخاصم فجرو هم المنافق بطنه وَهَمُّ الْمُوْمِنِ فَرَسَهٗ اِلٰی غَیرِ ذَالِكَ مِنَ الْاَحَادِیْثِ.

نفاق کی پہلی قسم کا دور نبوت کے بعد علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق غیب سے ہے، اور دلوں کے راز سے واقفیت حاصل کرنا ممکن نہیں۔ مگر دوسری قسم کا نفاق ہر زمانہ میں کثرت سے پایا جاسکتا ہے اور پایا گیا ہے خصوصا ہمارے زمانے میں (اس کی گرم بازاری کچھ ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے) اور اسی نفاق کی طرف اشارہ ہے اس حدیث میں جس میں فرمایا گیا ہے کہ ”تین باتیں جس شخص کے اندر پائی جائیں۔ وہ پکا منافق ہوگا گفتگو میں جھوٹ بولے، وعدہ کر کے اس کو پورا نہ کرے، جھگڑے تکرار میں گالم گلوچ پر اتر آئے۔ منافق کی نگاہ اپنے پیٹ پر مرکوز ہوتی ہے اور مومن کی نگاہ اپنے جہاد کے گھوڑے پر" اس طرح کی اور بہت سی حدیثیں ہیں۔

”خدائے تعالی اعمال واخلاق ایشاں رادر قرآن مجید آشکارا ساخت واواز احوال ایں گروہ چیزے بسیار بیان فرمود۔ تاہمہ امت ازاں احتراز نمایند و واگر خواہی از منافقان نمونہ بہ بینی رو در مجلس امراء و مصاحب ایشاں را ببیں کہ مرضی ایشاں رابر مرضی شیکہ ترجیح می وہند، در انصاف ہیچ فرق نیست در میان آنانکہ کلام محمد ﷺ بے واسطہ شنیدہ نفاق دور زیدند و در میان آنانکہ الحال پیدا شدہ اند و بطریق یقین حکم شارع معلوم کردہ اند۔ بعد ازاں بر ایثار خلاف ایں اقدام می نمایند و علی ہذا القیاس جماعتہ از معقولیان کہ شکوک و شبہات بسیار بخاطر دار ند و معاد را نسیا منسیا ساختہ اند نمونۂ آں گروہ اند۔

اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ان منافقوں کے اعمال واخلاق کی پوری طرح پردہ کشائی فرمائی اور دونوں قسم کے اہل نفاق کے احوال کثرت سے بیان کئے ہیں تاکہ امت مسلمہ اس طرح کی باتوں سے کشاں رہے، اگر تم منافقوں کی مثال دیکھنی چاہو تو امراء کی مجلسوں میں جاؤ اور جاکر ان کے ان مصاحبوں کو دیکھو جو ان کی مرضی کو شارع کی مرضی پر مقدم رکھتے ہیں۔ از روئے انصاف کوئی فرق نہیں ان لوگوں میں جنھوں نے براہ راست رسول اللہ ﷺ سے آپ کا پیغام سن کر نفاق اختیار کیا اور ان لوگوں میں جو آج کل اس مرض کے مریض ہیں اور جن تک یقینی ذرائع سے شارع کا حکم پہنچ چکا ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس کے خلاف

قدم اٹھانے میں بے باک ہیں۔ اسی طرح معقولیوں کا وہ گروہ بھی جس کا ذہن شکوک و شبہات کی آماجگاہ بنا ہوا ہے اور جو فکر آخرت کو طاق نسیاں پر رکھے ہوئے ہے اسی جماعت منافقین کا نمونہ ہے۔

بالجملہ چوں قرآن بخوانی گماں مکن کہ مخاصمہ با قومے بود کہ بودند و در گذشتہ بلکہ بحکم حدیث لتتبعن سنن من قبلکم ہیچ بلائے نبود۔ مگر امروز نمونہ آں موجود است پس مقصود اصلی بیان کلیات آں مقاصد است نہ خصوصیات آں حکایات۔ (الفوز الکبیر ص ۱۱۔ ۱۲)

خلاصہ یہ کہ جب تم قرآن پڑھو تو یہ گمان نہ کرو کہ اس کا رد و کد صرف ایسے لوگوں سے متعلق ہے جو پہلے (نزول قرآن کے وقت) تھے اور اب گزر چکے ہیں بلکہ (یقین رکھو کہ) کوئی بلائے فسق و ضلالت ایسی نہیں جو پہلوں میں موجود رہی ہو اور آج نہ پائی جاتی ہو۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ "تم اپنے پچھلوں کے قدم بقدم چل کر رہو گے" پس قرآن کا اصل مقصد اس رد و کد اور بحث و تنقید سے ان حقائق کی اصولی تشریح ہے نہ کہ ان متعین واقعات کی خصوصیات کا بیان۔

یاد رہے کہ کسی بات کا "علم نہ ہو سکنا" اور چیز ہے اور 'موجود نہ ہونا' اور شے۔ اس لیے اگر حضرت شاہ صاحب یہ فرماتے ہیں کہ نفاق اول (یعنی نفاق عقیدہ) کا دور نبوت کے بعد علم نہیں ہو سکتا، تو اس سے ان کی مراد یہ نہیں کہ اب ایسا نفاق سرے سے وجود میں ہی نہیں آسکتا۔ بخلاف اس کے یہ تو اس حقیقت کا اعلان و اعتراف ہے کہ یہ نفاق پایا تو جاسکتا ہے اور پایا جاتا ہوگا مگر ہمیں آپ کو اس کے اشخاص کا تعین کے ساتھ علم نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کا تعلق تمام تر نیت سے ہے۔ اور نیتوں کا حال سوائے اللہ کے کسی کو نہیں معلوم۔

دور حاضر میں نفاق کا وجود :

جب اصولاً یہ بات طے شدہ ہے کہ منافقت کچھ آغاز اسلام ہی کی مخصوص بیماری نہیں تھی، بلکہ وہ ہر دور میں پائی جاسکتی ہے۔ تو یقیناً اس کے امکان سے ہمارا اپنا زمانہ بھی خالی نہیں ہو سکتا۔ پھر کیا ہمارے دور میں اور ہمارے معاشرے کے اندر بھی واقعتاً یہ روگ موجود ہے؟ اگرچہ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب حالات کے پردے پر جلی حرفوں میں نقش ہے تاہم وہ کچھ اتنا

ناخوشگوار ہے کہ اس پر نگاہیں ڈالتے ہوئے بھی ہم گھبراتے ہیں اور چشم پوشی کی ریگ میں سر چھپا کر دل کو یہ سمجھا لیتے ہیں کہ گویا کوئی خطرہ نہیں لیکن ظاہر ہے کہ خطرات اور مہالک سے آنکھیں بند کر لینا اپنے ساتھ دوستی نہیں بلکہ دشمنی ہے اور ایک طرح کی معصوم خودکشی۔ اس لیے آیئے ذرا ہمت کر کے اپنے حالات دروں کا جائزہ لے دیکھیں کہ ہمارے معاشرے کے افراد اپنے افکار، اپنے اقوال اور اپنے کردار کی زبان سے اپنی کس باطنی کیفیت کی گواہی دیتے ہیں۔

ا۔ نفاق عقیدہ کی شہادتیں :

اس معاشرے میں ایسے نام نہاد ''مسلمان'' ہر گوشے میں دیکھے جا سکتے ہیں، جو علانیہ اللہ اور رسول کا مذاق اڑاتے ہیں، جن کا ذوق تجدد اس وقت تک تسکین ہی حاصل نہیں کرتا جب تک وہ نماز اور روزے پر پھبتیاں نہ کس لیں۔ جو شراب اور سود اور جوئے کی حرمت کو دقیانوسیت اور بے عقلی کا جنون ٹھہراتے ہیں، جو کتاب و سنت کی اتھارٹی تسلیم کرنے سے صاف منکر ہیں، جو اسلامی تعزیرات کو وحشت و بربریت کا نام دیتے ہیں جو شریعت کے منصوص احکام تک کو تیرہ سو برس کی پرانی یادگاریں قرار دیتے ہیں۔ زبان حال سے نہیں بلکہ اس زبان سے جو انسانی جبڑوں کے درمیان ہوتی ہے۔

اس معاشرے میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو بلا کسی جھجھک کے رواج کو شریعت پر ترجیح دیتے ہیں۔ صرف عملاً ہی نہیں بلکہ قولاً بھی۔

پھر اس معاشرے میں اسلام کے وہ ''علم بردار'' بھی ہیں جو پورے شرح صدر کے ساتھ غیر اسلامی افکار و نظریات پر ایمان لا چکے ہیں اور اس غلاظت کو اس کے اندر بکھیرتے رہنے ہی کو اپنی زندگی کا مقصد وحید ٹھہرائے ہوئے ہیں۔

حتی کہ اس معاشرے میں وہ لوگ بھی گھسے رہنے پر مصر ہیں جن کا اپنا ایک الگ اور مستقل مرکز اجتماع ہے، اس مرکز کو مرکز اجتماع نہ ماننے والے کو کھلا کافر سمجھتے ہیں اور جو خاتم النبیینؐ ہی کو اپنا آخری اور کلی ہادی، شارع اور مقتدا سمجھنے والوں کی نماز جنازہ تک پڑھنے کو تیار نہیں۔ مگر بایں ہمہ جمہوریت کے قانون نے جب انھیں یہ سمجھایا کہ ایسے بنیادی اختلاف عقیدہ کے بعد مسلمانوں

کے اندر تمہیں وہ حقوق حاصل نہیں ہو سکتے جو ایک مسلمان ہی کے لیے مخصوص ہیں۔ تم نہ ان کے سر براہِ کار بن سکتے ہو، تو انھوں نے گھبرا کر وحدت ملت کا نعرہ لگانا شروع کر دیا اور دنیا کو یہ باور کرانے میں لگ گئے کہ ہمارا بھی اسی ملت اور امت سے تعلق ہے جو مسلمانوں کی ہے، ہم بھی اسی قران کے ماننے والے ہیں جس کو ساری امت مسلمہ مانتی ہے اور اسی طرح سے مانتے ہیں جس طرح وہ، ہمارا دوسرے مسلمانوں سے کوئی بنیادی اختلاف نہیں، پس ہمیں امت سے الگ سمجھنے والے اسلام اور ملت دونوں کے دشمن ہیں۔ حالانکہ اس مظاہرۂ اتحاد ملی کا مقصد اصلی اس کے سوا کچھ نہیں کہ ملت کے عام حقوق پر انھیں چھاپے مارتے رہنے کا موقع حاصل رہے۔

کیا یہ اور اسی طرح کی دوسری باتیں اس حقیقت کا ثبوت نہیں کہ ہمارے معاشرے کے اندر کافی تعداد میں ایسے دل ودماغ موجود ہیں جن میں نفاق عقیدہ کا زہر سرایت کیے ہوئے ہے؟ یقیناً یہاں آپ یہ صفائی نہیں پیش کر سکتے کہ یہ باتیں عمل سے تعلق رکھتی ہیں اور عمل کی خرابیاں نفاق عمل کا ثبوت تو بن سکتی ہیں لیکن نفاق عقیدہ کا ثبوت نہیں بن سکتیں کیونکہ ایمان اور عمل منطقی طور پر ایک دوسرے سے لاکھ الگ سہی، مگر ان میں باہم ہرگز اتنی بیگانگی بھی نہیں کہ کسی حال میں بھی عمل، ایمان کے بارے میں کوئی شہادت نہ دے سکے۔ آخر عمل، عمل میں بھی تو فرق ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہر عمل ایمان کے بارے میں شاہد نہیں بن سکتا۔ مگر بعض اعمال یقیناً ایسے ہوتے ہیں جو ایمان کے خلاف شاہد عدل بن سکتے ہیں، یعنی ان کی موجودگی میں ایمان کی متاع لطیف موجود نہیں رہ سکتی۔ ہم نے جن ناگفتنی باتوں کا ابھی ذکر کیا ہے ان پر نظر ڈالیے اور غور فرما کر بتائیے کہ ان میں کون سی چیز ایسی ہے جس کے ساتھ ایمان واخلاص کی ہستی بدستور برقرار رہ سکتی ہے؟ کیا خدا اور پیغمبر، دین اور شریعت، آیات واحادیث، نماز اور روزے کا تمسخر کر کے کوئی آدمی مؤمن باقی رہ سکتا ہے؟ کیا قوانین شرع کو وحشت وبربریت کے قانون کہنے کے باوجود ایمان کا دعویٰ کوئی وزن رکھ سکتا ہے۔ پھر اگر ایسی حرکتیں کرنے والے اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں تو کیا حقیقت بھی ان کے اس دعوی کی تصدیق کرے گی؟ سطح زبان پر کیا کچھ ہے، بحث اس سے نہیں، بحث صرف اس چیز سے ہے کہ حلق کے نیچے کیا ہے اور ان حرکات کی موجودگی میں کیا ہو سکتا ہے؟

کہا جائے گا کہ حلق کے نیچے جو کچھ ہوتا ہے اس کا ہمیں کیا علم! جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا ہے۔ لیکن ہمیں بھولنا نہ چاہیے کہ یہ بات ہر حال میں ضروری نہیں۔ بعض حالات یقیناً ایسے ہوتے ہیں جن کی موجودگی میں بعض چیزوں کے وجود پر جزم کے ساتھ رائے قائم کی جا سکتی ہے اور مذکورہ بالا حالات اسی نوع کے ہیں۔ جہاں تک حضرت شاہ صاحب کے قول کا تعلق ہے وہ صرف عام حالات کے تحت نظر ہے۔ ہر حال پر اس کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ دراصل ان کے زمانے میں مسلمانوں کا دینی، اعتقادی اور اخلاقی زوال جس حد تک پہنچ سکا تھا اس کی بنیاد پر وہ اس سے زیادہ کچھ کہہ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر ادھر مزید دو صدیوں سے یہ زوال جتنا "عروج" حاصل کر گیا ہے اس کے اندر بعض اوقات اعتقادی منافقین کی بھی متعین طور سے نشاندہی ہرگز ناممکن نہیں رہی۔ اس لیے نہیں کہ "معاذاللہ" اب بندوں کو علم غیب حاصل ہو گیا ہے۔ بلکہ اس لیے کے یہ نفاق اب کبھی کبھی ایسا نفاق "بواح" (ظاہر و باہر) ہو جاتا ہے کہ اس کے جاننے کے لیے علم غیب کی ضرورت ہی نہیں۔

۲۔ نفاق عمل کی شہادتیں :

رہا نفاق عمل کا معاملہ، تو مذکورہ بالا اعمال نفاق میں سے ایک ایک شے کو لے کر اس معاشرے کے افکار و اعمال میں اس کا سراغ لگاتے اور دل پر جبر کر کے "ہیچ بلائے نہ بود مگر امروز نمونہ، آں موجودست" کا نظارۂ جاں کاہ کرتے جایئے۔ آپ پائیں گے کہ:۔

اس معاشرے میں آج نصف سے زائد آبادی اپنے لیے نماز جیسے مرکزی حکم شرع کو عملاً منسوخ قرار دے چکی ہے۔ اس کے حق میں اذان کی صدائیں اتنی معنویت بھی نہیں رکھتیں جتنی معنویت کہ جانوروں کے لیے ایک چرواہے کی پکار رکھتی ہے كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَايَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً (البقرۃ: ۱۷۱) اب اس کے لیے مسجد کی حاضری اور جماعت میں شرکت کا سوال تو کوئی سوال ہی نہیں رہا جب کہ وہ سرے سے نماز کے بندِ غم ہی سے آزاد ہے، حتی کہ نماز میں الکساتے ہوئے (کسالی) آنے کی زحمتوں سے بھی اسکی گلوخلاصی ہو چکی ہے۔ "تین جمعے" نہیں۔ اگر سیکڑوں جمعے گذر جائیں تو اسے مطلق خبر نہیں ہوتی کہ یہ جمعے کتنے فرائض کا پیغام دے گئے اور غافلوں کو کتنی ہولناک وعیدیں سنا گئے۔

اس معاشرے کی بہت بڑی اکثریت زکوۃ وعشر کی پابندیوں سے بے نیاز ہے، پیدائش اور شادی اور موت کی رسموں پر نام ونمود کی خاطر خرچ کرنے کے لیے تو اس کے دونوں ہاتھ کھل جاتے ہیں۔ مگر راہ خدا میں ڈھائی فیصدی دینے کا جب نام آتا ہے تو اس کا دل اندر سے بیٹھنے لگتا ہے اور اگر کبھی بعض اسباب نے کچھ ''ادائے فرض'' پر مجبور کر ہی دیا تو چہرے کی صورت ایسی ہو جاتی ہے کہ اسے دیکھتے ہی یَتَّخِذُ مَایُنْفِقُ مَغْرَماً کے الفاظ کانوں میں گونجنے لگتے ہیں۔

اس معاشرے میں جگہ جگہ وہ سر نظر آتے ہیں جو اگر احکام شریعت کے آگے ''احتراما'' جھکتے ہیں تو اپنے حق میں فیصلہ ہوتا دیکھنے کے بعد ہی دستور یہ ہو رہا ہے کہ اگر شرع کے قوانین اپنے حق میں فیصلہ دیتے نظر آئیں تو پوری ہم آہنگی کے ساتھ دین کی اطاعت کا نعرہ لگایئے، اور اگر صورت حال برعکس ہو تو پوری بے باکی کے ساتھ طاغوتی عدالتوں اور قانونوں سے مدد لیتے رہیے اور حکم شرع سنتے ہی ایک طرف کو کھسک جایئے۔

اس معاشرے میں ''جھوٹ، بدعہدی، بدزبانی اور خیانت'' کی وہ گرم بازاری ہے کہ خدا کی پناہ! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان برائیوں کا ایک سیلاب سا امنڈ آیا ہے اور اس کے اندر پوری ملت غرق ہوتی جا رہی ہے مسلمان کا نشانِ امتیاز اس کا حسن اخلاق تھا مگر آج اس کا یہ نشان ماضی کی داستان بن چکا ہے، اور دوسری قوموں کے ساتھ وہ نیکیوں میں نہیں بلکہ برائیوں میں مسابقت کر رہا ہے حتی کہ کتنے ہی میدانوں میں وہ بازی بھی لے جا چکا ہے۔ شہادت اگر درکار ہو تو نجی مجلسوں سے لے کر بازاروں اور پھر سرکاری عدالتوں تک کا ایک سرسری جائزہ لے ڈالیے۔

اس معاشرے میں ان مسلمانوں کا قحط ہو رہا ہے جو دین کے نام پر چوٹیں کھانے سے گریزاں نہ ہوں، مرز بوم کا عشق جن کی غیرت ایمان کو مفلوج نہ کر چکا ہو، جو بندگی رب کے تقاضے سن کر خدا کی زمین کو تنگ نہ پاتے ہوں، جو دین کی غربت پر بے غم نہ ہوں، بخلاف اس کے دنیا کا ہر تعلق دین کے تقاضوں سے ہمیں زیادہ عزیز ہے۔ ہم ایک معمولی قومی مفاد کے لیے شریعت کے محکم ضابطوں تک کو پس پشت ڈال دینے میں کوئی رکاوٹ محسوس نہیں کرتے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مفادِ اسلام اب نام ہو گیا مفاد مسلمین کا۔ قوم، ملک وطن غرض ہر دنیوی رشتہ کی محبت کا اظہار ہمارے لیے باعث فخر ہے، مگر دین کا نام لیتے ہی ہم جھجکنے اور شرمانے لگتے ہیں،

مبادا کوئی ہمیں دقیانوسی ملایانہ ہی مجنوں کہہ دے۔ چوں کہ اپنی دینی حیثیت کے برملا اعلان اور اس کی عملی ذمہ داریوں سے ہم خود بچ رہے ہیں اس لیے دین کی خاطر قربانیوں کا موقع ہی نہیں آنے پاتا۔ ورنہ آپ دیکھتے کہ ہمارے ملّی کردار کے اسٹیج پر جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللهِ کے مناظر کتنی کثرت سے نمودار ہو رہے ہیں۔

اس معاشرے میں دین و تقوی کے بجائے بااقتدار کفار و مشرکین کے تقرب کو عزت کا معیار سمجھنے کا ذوق عام ہے۔ جس کا اندازہ کرنے کے لیے آپ کو اپنی تاریخ کے موجودہ باب ہی کا مطالعہ کافی ہوگا۔ اور اگر اس بات کے مطالعے میں کچھ وقت محسوس ہو تو پھر اس سے پہلے ختم ہونے والے باب کے اوراق کھول کر ملاحظہ فرمالیجئے۔ وہاں آپ یہ دیکھ کر حیران رہ جائیں گے کہ وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ اور اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ پر "ایمان لانے والے" وائسرائے بہادر سے ہاتھ ملانے کی تمنا میں عمریں بسر کیے دے رہے ہیں۔ اگر انھیں شری یا خان بہادری کے خطابات "سمرقند و بخارئ" ہی نہیں بلکہ دین و ایمان دے کر بھی نصیب ہو جائیں تو گویا دولت کونین ہاتھ آ گئی۔ دوسری طرف کچھ اور لوگ ہوں گے جو غیر مسلم لیڈروں کے آستانوں کا طواف کرتے نظر آئیں گے جن کی معراج سعادت یہ ہے کہ وہاں انھیں وطن پرست مان لیا جائے اور جن کی دیش بھگتی کو اگر ملکی پریس نے تسلیم کر لیا تو گویا انھیں "رضا" کا مقام حاصل ہو گیا، اور اب رضوانِ جنت ان کے لیے فردوس بریں کی کنجیاں ہاتھ میں لیے منتظر کھڑا ہے۔

اس معاشرے میں جھوٹی شہرت کے دلدادوں کی بھی کمی نہیں، خصوصاً سیاسی پلیٹ فارموں پر۔ پھولوں کے ہاروں اور زندہ باد کے نعروں کی چاٹ نے "قائدین ملّت" کا ایک لشکر کا لشکر تیار کر دیا ہے جو قومی اجتماعات میں اسلام اور قرآن کا نعرہ کچھ اس زور سے لگاتے ہیں کہ پوری ملت کا نہاں خانۂ عقیدت اس کے شور سے گونج اٹھتا ہے جب وہ اسلام کی خاطر اپنی رگوں کا ایک ایک قطرہ خون بہا دینے کا اعلان کرتے ہیں تو ان کے لب ولہجہ سے ابو بکر صدیقؓ کا اخلاص اور عمر فاروقؓ کا عزم و جلال ٹپکنے لگتا ہے، لیکن جب اسلام اپنے فرائض اور مطالبات لے کر انھیں ڈھونڈتا ہے تو نہیں معلوم کن "پناہ گاہوں" میں جا چھپتے ہیں کہ پھر ان کی صورت ہی نظر نہیں آتی۔ ان کی نگاہ ہر چہار سو گھومتی رہتی ہے، جہاں کہیں اسلام یا مسلمانوں کی فلاح کا کوئی کارنامہ انجام پاتا ہوا دکھائی پڑا وہ لپک کر رہبری اور سربراہ کاری کے اسٹیج پر جا بیٹھنے اور مختلف تدبیروں

سے اس کارنامے کا کریڈٹ اچک لینے کی سعی کرتے ہیں۔

اس معاشرے میں ایسے "مخلصین" بھی کثرت سے پائے جاتے ہیں جن کا ملّی تعلق خاطر زیادہ تر ان حقوق پر قبضہ کرنے تک محدود ہے جو ملت اسلام کے حقوق ہیں، اور جن میں حصہ دار بننا اس بات پر موقوف ہے کہ آدمی کا نام مسلمانوں کی فہرست میں درج ہو۔ دلوں کا حال تو خدا ہی بہتر جانتا ہے، لیکن ان کے عام رویے سے اسلام کی کسی واقعی عقیدت کا سراغ ملنا عموماً بڑا دشوار ہوتا ہے۔ اس وقت تو اسلام ان کا سب کچھ ہے اور وہ اول بھی مسلمان ہیں اور آخر بھی مسلمان، جب مادی مفادات کی قاشیں اسی نام سے تقسیم ہو رہی ہوں۔ لیکن اس وقت کے گذر جانے پر وہ سب کچھ تو نظر آسکتے ہیں مگر "اول بھی مسلمان اور آخر بھی مسلمان یقیناً نظر نہیں آسکتے۔

اس معاشرے میں ضعف ایمان کی بیماری ایک خوفناک سرطان کی طرح اپنے پنجے گاڑے ہوئے ہے۔ جس کے زہریلے اثر سے کسی عضو کے کچھ گوشے تو محفوظ کیے جاسکتے ہیں، لیکن کوئی بھی پورا عضو ہرگز محفوظ نہیں[1]۔ اس کے ان افراد کو تو چھوڑیئے جو نماز اور روزے، حج اور زکوۃ تک کی کوئی پروا نہیں رکھتے، ان "پابند مذہب" لوگوں کو لے دیکھئے جن کی ایک وقت کی بھی نماز قضا نہیں ہوتی۔ جو عشر و زکوۃ کا ایک ایک حبہ ادا کیا کرتے ہیں، جن کے روزوں میں رمضان کے سوا نفل روزوں کی بھی ایک بڑی تعداد شامل ہوتی رہتی ہے، اور جو لبیک لبیک کہتے ہوئے قربان گاہِ اسماعیل پر جا کر "اسلام" کے عملی معنی بھی سیکھ چکے ہیں؛ آپ پائیں گے کہ ان کا ذوق ایمانی عموماً جرأت نا آشنا ہے۔ ان کے اندر کثرت سے ایسے لوگ موجود ہیں جن کی کفر کے ماحول میں رہتے ہوئے زندگیاں بیت جاتی ہیں مگر ان کی جبینِ ایمانی پر کبھی شکن تک نمودار نہیں ہوتی۔ یعنی وہ اس نظام کے تحت زندگی بسر کرنے پر راضی ہیں جس سے خدا راضی نہیں ہے۔ راضی ہی نہیں بلکہ اس کی خدمت کے لیے اپنا پرخلوص تعاون بھی پیش کرتے رہتے ہیں۔ تلاوت، تعظیم اور تقدیس کی حد تک تو وہ پورے قرآن کو مانتے ہیں جو دونوں دفتیوں کے درمیان موجود ہے۔ لیکن عملدرآمد کے لیے وہ اس کے صرف اتنے حصے پر قانع ہیں جتنے کی کفر اجازت دیتا ہے۔ وہ حوصلہ نہیں رکھتے کہ دین حق کی اقامت کا نام زبان پر لائیں، مبادا کہ اغیار کی تیوریوں پر بل پڑ جائیں۔ قرآن انھیں ان کی زندگی کا فرض وحید یاد دلاتا ہے، ان سے کونوا انصار اللہ کا مطالبہ کرتا ہے، ان کے سامنے اپنے

---

[1] عضو سے مراد یہاں معاشرے کے مختلف گروہ ہیں، نہ کہ افراد۔

دین کو مظلومیت اور مغلوبیت کی حالت سے نکالنے کے لیے سعی و جہد کا میدان پیش کرتا ہے، مگر تن آسانیوں کے یہ خلوت نشیں دم سادھے بیٹھے ہیں اور لَاتُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ کی الٹی تاویلوں سے اپنے احساس فرض کو کچلتے جارہے ہیں۔ یہ دین اللہ کے شاہد تھے مگر ناسازگاری احوال کے طفیل وہ اپنے آپ کو اس بھاری بوجھ سے آزاد سمجھ بیٹھے ہیں۔ معمولی معمولی زحمتیں ان کے لیے ترک فرائض کا بہانہ بن جاتی ہیں اور دنیوی مفاد کی ادنی ترغیبیں بھی ان کے پائے ثبات ایمانی کو متزلزل کردیتی ہیں۔ جن باتوں کو عام حالات میں وہ بے دینی کی باتیں کہتے رہتے ہیں۔ سیاسی مصالح کا دباؤ پڑتے ہی وہ ان کو جائز اور مستحسن ٹھہرانے لگتے ہیں، جو چیزیں ان کی فقہ کی کتابوں میں آج بھی شعار کفر اور موجب تکفیر لکھی ہوئی ہیں بسااوقات ان کو بھی گوارہ کرکے وہ اپنی معیاری خودی کو خیر باد کہہ دیا کرتے ہیں، محض اس لیے کہ منکرین اسلام کی خوشنودیاں اس ''تقیہ'' کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتیں۔ پھر جب کبھی اس ایمان ناتواں پر ذاتی یا ملی مفادات کی مصلحتوں کا ذرا کوئی غیر معمولی حملہ ہوتا ہے تو نہ پوچھئے کہ اس غریب کا کیا حال ہوجاتا ہے؟ اس وقت تو دین کے اصول اور مسلمات تک کی حرمت معرض خطر میں پڑجاتی ہے۔ توحید کے اولین تقاضے بھی فراموش ہونے لگتے ہیں۔ قتال فی غیر سبیل اللہ جیسی معصیت فاحشہ کی حصہ داری ملت کا بنیادی حق قرار پاجاتی ہے۔ طاغوتی عدالت کی کرسیوں پر بیٹھنے کی تمنا کوئی معیوب تمنا نہیں رہ جاتی۔ جوئے، شراب اور سود کے کاروبار کرنے والے اداروں اور محکموں کی چاکری ''اللہ کا فضل بن جاتی ہے۔ اور اقتدار اعلی کی مدعی قانون ساز اسمبلیوں کی رکنیت درد ملت کا آخری علاج ٹھیرالی جاتی ہے۔ حتی کہ بعض اوقات وہ کارِ شنیع بھی انجام دینا پڑجاتا ہے جو بدر کے معرکے میں بعض ان ضعیف الایمان مسلمانوں نے انجام دیا تھا جن کے قدم مکہ کی زمین وطن پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔ اور اس نے اجازت نہ دی تھی کہ وہ حکم الٰہی کے بموجب مدینے ہجرت کرجائیں۔ انجام کار جب اہل اسلام اور اہل کفر میں مسلح مقابلے کا موقع آیا تو لاچار انھیں بھی دوسرے اہل مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل صف آرا ہونا پڑا اور نتیجہ میں دونوں جہان کی ناکامی اور ذلت اٹھانی پڑی۔ آخر پہلی جنگ عظیم میں آپ نے کیا دیکھا تھا؟ یہی ناکہ انگریز بہادر کے غلام مسلمان اس کی استعماری اور سامراجی خواہشوں کی حمایت میں میدان جنگ میں بھیجے گئے اور وہاں ان کی تلواریں نہ صرف جرمن غیر مسلموں ہی کے خون سے رنگین ہوئیں بلکہ مسلمانوں کے کلیجوں میں بھی پیوست ہوئیں، حد یہ ہے کہ حرمین کی ردائے قدس بھی ان کے نامبارک ہاتھوں سے محفوظ نہ رہ سکی۔

پھر اس معاشرے میں توحید ورسالت پر ایمان رکھنے والے وہ مسلمان بھی موجود ہیں، اور بتعداد کثیر موجود ہیں جن کا ایمان، تردد اور کم یقینی کا زنگ خوردہ ہے جو زیادہ تر اس لیے مسلمان ہیں کہ مسلمان والدین سے پیدا ہوئے ہیں۔ نہ اس لیے کہ ان کے وجدان اور تعقل نے ان کے مسلمان ہونے کا باقاعدہ شعوری طور پر فیصلہ کیا ہے۔

"مذہبیات" میں ان کے اس تردد اور کم یقینی کا جب ظہور ہوتا ہے تو **من یعبداللہ علی حرف** کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ دیکھنے میں آتا ہے کہ مشکلات اور احتیاجات کے وقت صحیح معنوں میں ان کا اعتماد توحید الوہیت پر باقی نہیں رہ جاتا۔ اور وہ کسی نہ کسی شکل میں غیر اللہ کو بھی پکارنا شروع کر دیتے ہیں۔ قبروں پر سجدے، اصحاب قبور سے درخواستیں، بزرگوں کی نذریں اور نیازیں، یہ ساری باتیں جو ہر چہار سو دھڑلے سے انجام دی جارہی ہیں، آخر کس بات کا ثبوت ہیں؟ انتہا یہ ہے کہ دفع آفات وبلیّات کے لیے علانیہ یا علی! یا غوث! یا خواجہ! المدد پکارا جاتا ہے، صرف پکارا ہی نہیں جاتا بلکہ اس طرح کے مشرکانہ کلمات کو "شعائر اسلام" میں شمار کیا جاتا اور "اہل السنۃ والجماعۃ" میں سے ہونے کا نشان امتیاز قرار دیا جاتا ہے۔ پھر جب جوش عقیدت اس پر بھی نہ مانا تو لوگوں نے بڑھ کر عین محراب مسجد میں "یا شیخ فلاں! شیئاللہ" کے کتبے نصب کر دیئے۔ گویا اللہ تعالیٰ کی توحیدِ الوہیت کو خود اس کے گھر میں جاکر چیلنج دیدیا گیا کہ جو تنہا پروردگاری اور لاشریک خدائی کا دعویدار ہے اور وہ سن لے کہ یہاں کچھ اور بھی صاحب کرم و بخشش ہستیاں موجود ہیں[1]۔

"دنیوی" امور (معاملات، سیاسیات، تمدن اور معاشرت وغیرہ) میں اس تردد اور بے یقینی کا جب ظہور ہوتا ہے تو اسلامی گفتار و کردار کی عجیب و غریب مثالیں سامنے آتی ہیں۔ مسلمان ہیں مگر اسلامی تصورات کا زبان پر نام لیتے وقت سخت حجاب دامن گیر ہوتا ہے اسلامی تعزیرات کا ذکر آجائے تو جیسے ملّی احساس کہتری انھیں اقوام غیر کی عدالت میں لا حاضر کرتا ہے۔ اور وہ مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے معذرتیں اور صفائیاں پیش کرنے لگتے ہیں۔ اسلامی نظامِ اقتصاد کو اس وقت تک "مہذب" دنیا میں پیش کرنے کے قابل نہیں سمجھتے جب تک کہ اس کا نام "اسلامی سوشلزم" نہ رکھ لیں۔ گویا ان کے خیال میں اسلام کی عزت ووقار کا قیام اور اعتراف اگر ممکن ہے تو صرف "سوشلزم" کے طفیل، اور اس سے منتسب ہو جانے کی برکت ہی سے۔ اسلامی نظام سیاست واجتماع کو خواہ وہ کتنا ہی زبردست ہدیہ عقیدت کیوں نہ پیش کریں۔ مگر ان کی عملی

---

[1] حاشیہ اگلے صفحے پر

محبت کا ان کے کاروبار حیات میں کوئی نشان ملنا بہت دشوار ہے۔ وہ اٹلی، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، برطانیہ، امریکہ اور روس سے جاکر زندگی کے قانون لائیں گے اور انھیں اپنانے میں فخر محسوس کریں گے۔ لیکن اسلام کے نظام حیات اور قانون زندگی کو اپناتے ہوئے ان کی پیشانی عرق آلود ہو جاتی ہے۔ غلامی و محکومی کی مجبوریوں میں نہیں، بلکہ آزادی و خود مختاری کی "پاک" فضاؤں میں بھی انھیں اسلامی اقدار کو اپنانے میں تامل ہوتا ہے۔ مگر مادی تہذیب کی قدریں اپنا کر سمجھتے ہیں کہ ہم اقوام عالم کی نگاہوں میں باعزت اور مہذب ہو رہے ہیں۔ تمدن، معاشرت، تعلیم اور اخلاق میں مغربی افکار و نظریات سے ہٹ کر عملاً اسلام کی رہنمائی قبول کرنا ان پر انتہائی شاق گذرتا ہے۔ دوسرے علوم و مسائل کا تو کوئی سوال ہی نہیں۔ ان کے ہاتھوں میں اگر اقتدار آجائے تو بجائے اس کے کہ وہ نماز قائم کریں، زکوۃ ادا کریں، نیکی کا حکم دیں، برائیوں سے روکیں، عیش پرستی کے اڈے قائم کرتے ہیں۔ اپنے شاہانہ کرو فر کے لیے غریبوں کا خون چوستے ہیں رقص و سرود کی محفلیں سجاتے اور مینا بازار لگاتے ہیں اور ایسا ماحول بناتے جاتے ہیں جس میں خیر اور حق گھٹ گھٹ کر مرتے ہیں۔ اور شر و باطل معاشرے کی پوری اجتماعی قوت کو اپنی غذا بنا کر پروان چڑھتے رہیں۔ محض اسی لیے نہیں کہ ان کے نفسوں کو اسی میں چھوٹ ملتی ہے بلکہ اس لیے بھی کہ اغیار کو یہی پسند ہے، اور اس زمانہ میں اسلام اور مسلمان کو روشن خیال ثابت نہیں کیا جاسکتا اگر یہ چیزیں اختیار نہ کی جائیں۔

ہمیں معلوم ہے کہ ان میں کتنے ہی ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ملت کے ساتھ گہرا قلبی لگاؤ بلکہ عشق ہے، اور اس عشق کی راہ میں بسا اوقات وہ اپنا سب کچھ لگا دیتے ہیں مگر بڑا فرق ہے اس لگاؤ میں جو اسلام کے ساتھ ہو اور اس لگاؤ میں جو ملت اسلام یعنی مسلمانوں کے ساتھ ہو۔ کاش ان کا عشق، عشق مسلمین کے بجائے عشق اسلام ہوتا! جس کے لیے اولین شرط یہ ہے کہ آدمی کو اسلام

---

[1] (حاشیہ گذشتہ) اگر مذکورہ جملے کے ظاہری مفہوم کو لیجیے تو اس سے بھی زیادہ گھناؤنا تصور سامنے آتا ہے اس فقرے کا لفظی ترجمہ یہ ہے "اے شیخ فلاں! کچھ خدا کے لیے" یعنی خدا کے لیے کچھ عنایت فرمایئے ذرا اس کے معنی و مفہوم پر غور کیجیے۔ اس جملے میں دراصل توسل کے مسئلہ کو الٹ کر رکھ دیا گیا۔ توسل کے معنی تو یہ ہیں کہ اصل دینے والا اللہ تعالی ہے اور ہم اس کے مقربوں میں سے کسی کو وسیلہ قرار دے کر اللہ سے مانگتے ہیں۔ مگر یہاں اس کے برعکس (معاذ اللہ) اللہ کو وسیلہ قرار دے کر شیخ صاحب سے مانگا جارہا ہے نعوذ باللہ من ذلک جو شخص لا الہ الا اللہ کے کلمہ پر اس کا مطلب سمجھ کر ایمان لایا ہو بھلا وہ کس طرح اس بات کا تصور بھی کر سکتا ہے کہ خداوند عالم کو کسی بندے کے حضور وسیلہ بنا کر اس بندے سے دعا کی جائے (ص)

کا تفصیلی علم، اس کی صحیح معرفت اور انشراح صدر حاصل ہو اور پھر اس تفصیلی علم معرفت اور انشراح صدر ہی کی بنیاد پر اسے اسلام کے ساتھ عقیدت ہو۔ لیکن یہاں تو یہ جنس گراں مایہ بالکل ہی نایاب ہے۔ چونکہ وہ خوش قسمتی سے مسلم گھرانے میں پیدا ہوئے ہیں اس لیے انھیں "اسلام اور مسلمان" کے الفاظ کے ساتھ ایک گہری وابستگی تو ہے۔ قومی عصبیت کی وابستگی اور اس وابستگی نے ان کے دلوں میں اسلام کے لیے ایک عقیدت اور جذبہ احترام بھی پیدا کر دیا ہے۔ مگر وہ حد درجہ مبہم ہے۔ جہاں یہ سوال پیدا ہوا کہ اس مبہم عقیدت کو واضح اور عملی عقیدت سے بدلو، وہیں سے فکر و عمل کے اس عجیب و غریب تضاد کا مظاہرہ شروع ہو جاتا ہے جس کی طرف ابھی ہم اشارہ کر چکے ہیں۔

معاشرے کا فرض :

یہ ہے امت کے افکار و اعمال کا ایک مجمل جائزہ۔ تو خود شرح مفصل بخواں ازیں مجمل۔ جس ایمان ملی کے ساتھ نفاق عقیدہ اور نفاق عمل کی ایسی زبردست جونکیں لپٹی ہوئی ہوں اور یوں اس کے اندر سے برابر خون نچڑ رہا ہو، اگر اس کی قوت تیزی کم سے کم تر ہوتی جا رہی ہو، نبض کی رفتار ضعیف اور ناہموار ہو رہی ہو اور چہرے پر مردنی سی چھا رہی ہو تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ یہ تو ٹھیک اسی سنت خداوندی کا ظہور ہے جو ابتدائے آفرینش سے آج تک سیکڑوں ہزاروں قوموں کو زندگی اور اقبال کے میدان سے ہٹا کر پرے پھینک چکی ہے، مسلمان اگر خود اپنے دشمن آپ نہیں ہیں تو اس وہم میں نہ رہیں کہ یہ سنت ان کی طرف سے آنکھیں میچ لے گی۔ اگر انھیں زندگی اور فلاح عزیز ہے تو پوری دیدہ ریزی کے ساتھ ان کو اپنے اندرون کا جائزہ لینا پڑے گا، ان کے معاشرے کو بھی اور ان کے افراد کو بھی، جو لوگ واضح اور معتبر قرائن کی روشنی میں نفاقِ عقیدہ کے مریض معلوم ہوں ان کے وجود سے معاشرے کو پاک کرنے کی ویسی ہی جدوجہد کرنی پڑے گی جیسی کہ وباؤں کے پھوٹ پڑنے پر ان کے جراثیم کو ہلاک کرنے کی کی جاتی ہے۔ اس جدوجہد کی ابتداء یقیناً افہام و تفہیم اور اصلاح و تذکیر ہی سے ہونی چاہیے۔ لیکن اگر اس تریاق کے بعد بھی زہر دور نہ ہو تو ہر شخص کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف اپنے سارے ممکن ذرائع سے اٹھ کھڑا ہو۔ ان سے ہر قسم کے تعلقات منقطع کر لے، ان کے خلاف ہر مناسب تدبیر سے جہاد کرے اور سوسائٹی میں ان کا لحاظ کر کے یا ان کی سیاسی خدمتوں کے غیر معمولی اعتراف میں یا ان سے کچھ دنیوی فائدوں کی امیدیں رکھ کر یا ان کے جاہ و اقتدار سے مرعوب ہو کر وہ انہیں برداشت کرتا رہا تو اسے یاد رکھنا

چاہیے کہ وہ کشتی کبھی ساحل مراد پر نہیں پہنچ سکتی۔ نہیں بلکہ ساحل مراد کی طرف جا ہی نہیں سکتی جس کے ناخداؤں میں سے اگر کچھ لوگ اسے صحیح رخ پر کھے رہے ہوں تو کچھ دوسرے اسے کسی اور رخ پر کھے کر بڑھاتے جارہے ہوں۔ اور دوسرے ان کے ہاتھوں سے چپو یا کلہاڑے چھین لینے کے بجائے خاموشی سے طرح دیئے جارہے ہوں۔ رب العزت کی قسم ایسی کشتی ڈوب کر رہے گی۔ اور اس وقت صرف سوراخ کرنے والے یا غلط سمت کھینے والے ہی ہلاک نہ ہوں گے بلکہ خاموشی سے تماشہ دیکھنے والے بھی سمندر کی گہرائیوں میں دفن ہو جائیں گے۔ **وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَاتُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَاصَّةً.**

رہے نفاق عمل کے مریض، تو ان کے بارے میں تذکیر واصلاح کے ایک طویل اور مسلسل جدوجہد کے پروگرام پر عمل کرنا پڑے گا۔ یہ ایک بڑا پتہ ماری کا کام ہے اور معاشرے کی فلاح وترقی کا سب سے ابتدائی اور لازمی زینہ۔ کیونکہ جب تک اس معاشرے کی ایک بہت بڑی تعداد اس مرض سے نجات نہیں پاجاتی وہ اس کشاکش حیات میں اپنا وجود تسلیم نہیں کراسکتا۔ لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ملت کے چارہ سازوں کی نگاہ ہر ضرورت پر جاتی ہے اگر نہیں جاتی تو اسی اولین ضرورت پر۔ گویا ان کے خیال میں مسلمانوں کے اخلاق وعمل میں نفاق کی یہ گرم بازاری کسی فکر اور توجہ کی محتاج ہے ہی نہیں۔ اور یہ کوئی بیماری ہی نہیں جس کے علاج کی ضرورت ہو۔ انتہا یہ ہے کہ اب تو خود "زعیم قوم" "قائد ملت"، اور "پیشوائے امت" بننے میں بھی یہ کوئی رکاوٹ کی چیز نہیں رہی۔ یعنی ملت کے چارہ ساز بھی وہی لوگ ہونے لگے ہیں جو خود چارہ سازی کے اتنے ہی محتاج ہیں جتنا کہ کوئی اور جن کا صفحہ قلب ودماغ خود ہی عملی منافقت کے دھبوں سے زنگ آلود ہو رہا ہے، اور جو خود لذت اخلاص سے تہی کام ہیں حالانکہ یہ وہ لوگ ہیں جو ملت کی سب سے آخری صفوں میں جگہ پانے کے لائق تھے۔

اَللّٰهُمَّ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ○ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ○ (آمِيْنَ)

☆☆☆